تنظیم اسلامی کا ترجمان

11

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

تنظیم اسلامی کا پیغام
خلافت راشدہ کا نظام

مسلسل اشاعت کا
30 واں سال

www.tanzeem.org

8 تا 14 شعبان 1442ھ / 23 تا 29 مارچ 2021ء

سودی نظام کا نتیجہ

سودی نظام کی بنیاد ایک غلط اور فاسد اساس پر مبنی ہے اور وہ یہ کہ اس جہاں میں انسان کا مقصدِ اعلیٰ صرف یہ ہے وہ مال و دولت جمع کرتا پھرے۔ چاہے اس کے لیے جو بھی مکروہ ذریعہ اسے اختیار کرنا پڑے اور پھر وہ اس دولت سے فائدہ اٹھائے اور اسے جس طرح چاہے خرچ کرے۔

یہی وجہ ہے کہ ایک مادہ پرست شخص کے دل میں اس قدر لالچ پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ کتوں کی طرح دولت پر ٹوٹ پڑتا ہے اور اس سے ہر طرح کے مفادات حاصل کرنا چاہتا ہے۔ یوں وہ تمام اصولوں کو پامال کر کے اور تمام جہاں کے مفادات کو قربان کر کے بھی دولت جمع کرنے میں لگا رہتا ہے۔

نظام ربا کا ایک نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ تمام بشریت کو پیس کر رکھ دیتا ہے۔ اس میں افراد اور معاشرے کی زندگی دوبھر ہوجاتی ہے۔ اس کے نتیجے میں اقوام و ملل تباہ ہوجاتی ہیں اور یہ تباہی صرف ان مٹھی بھر لوگوں کے مفاد کے لیے ہوتی ہے جو اس نظام میں روپیہ فراہم کرتے ہیں۔ جو اقوام اس نظام کی زد میں آجاتی ہیں وہ اخلاقی، نفسیاتی اور اعصابی اعتبار سے بھی گر جاتی ہیں، ان اقوام کا مالی نظام خراب ہوجاتا ہے، اور انسانی اقتصادیات میں مناسب نشوونما نہیں ہوتی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پوری انسانیت پر حقیقی اور عملی اقتدار چند ایسے لوگوں کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے، جو اللہ کی اس پوری مخلوق میں ذلیل ترین لوگ ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ وہ پرلے درجے کے فسادی ہوتے ہیں۔ یہ ایک ایسا طبقہ ہوتا ہے جو انسانیت کے لیے اس کرہ ارض پر کسی قسم کی دوستی، ہمدردی یا ذمہ داری کا کوئی پاس نہیں رکھتا۔

العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام
سید قطب شہیدؒ

اس شمارے میں

23 مارچ: حقیقت کیا ہے؟
آخرت پر یقین کے اثرات
سینٹ الیکشن میں کرپشن کی یلغار
اسلام کا معاشی اور اقتصادی نظام (۷)
اسلام کی پہلی شہیدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا بنت خباط
زخم کو پھول بتایا جائے!

الھدیٰ (929)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا

سُورۃُ النُّور | بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ | آیت : 35

اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ مَثَلُ نُوۡرِہٖ کَمِشۡکٰوۃٍ فِیۡہَا مِصۡبَاحٌ ؕ اَلۡمِصۡبَاحُ فِیۡ زُجَاجَۃٍ ؕ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّہَا کَوۡکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوۡقَدُ مِنۡ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیۡتُوۡنَۃٍ لَّا شَرۡقِیَّۃٍ وَّ لَا غَرۡبِیَّۃٍ ۙ یَّکَادُ زَیۡتُہَا یُضِیۡٓءُ وَ لَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡہُ نَارٌ ؕ نُوۡرٌ عَلٰی نُوۡرٍ ؕ یَہۡدِی اللّٰہُ لِنُوۡرِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ یَضۡرِبُ اللّٰہُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿ۙ۳۵﴾

آیت:۳۵ ﴿اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ﴾ ’’اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔‘‘

﴿مَثَلُ نُوۡرِہٖ کَمِشۡکٰوۃٍ﴾ ’’اُس کے نور کی مثال ایسے ہے جیسے ایک طاق‘‘

نور سے مراد یہاں نورِ ایمان ہے‘ یعنی اللہ پر ایمان کے نور کی مثال ایک طاق کی سی ہے:

﴿فِیۡہَا مِصۡبَاحٌ ؕ اَلۡمِصۡبَاحُ فِیۡ زُجَاجَۃٍ ؕ﴾ ’’اس (طاق) میں ایک روشن چراغ ہے‘ وہ چراغ شیشے (کے فانوس) میں ہے۔‘‘

وہ چراغ شیشے کے فانوس میں رکھا گیا ہے‘ جیسے پچھلے زمانے میں شیشے کی چمنیوں میں چراغ رکھے جاتے تھے۔

﴿اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّہَا کَوۡکَبٌ دُرِّیٌّ﴾ ’’اور وہ شیشہ ایک چمکدار ستارے کی مانند ہے‘‘

اس مثال میں انسانی سینے کو طاق اور دل کو چراغ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ انسانی پسلیوں کا ڈھانچہ جسے ہم سینہ کہتے ہیں‘ یہ نیچے سے چوڑا اور اوپر سے تنگ ہونے کی وجہ سے پرانے زمانے کے طاق سے مشابہت رکھتا ہے۔

﴿یُّوۡقَدُ مِنۡ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیۡتُوۡنَۃٍ لَّا شَرۡقِیَّۃٍ وَّ لَا غَرۡبِیَّۃٍ ۙ﴾ ’’وہ (چراغ) جلایا جاتا ہے زیتون کے ایک مبارک درخت سے‘ جو نہ شرقی ہے اور نہ غربی‘‘

﴿یَّکَادُ زَیۡتُہَا یُضِیۡٓءُ وَ لَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡہُ نَارٌ ؕ﴾ ’’قریب ہے کہ اُس کا روغن (خود بخود) روشن ہو جائے‘ چاہے اسے آگ نے ابھی چھوا بھی نہ ہو۔‘‘

گویا وہ آگ کے چھوئے بغیر ہی بھڑک اٹھنے کے لیے تیار ہے۔

﴿نُوۡرٌ عَلٰی نُوۡرٍ ؕ﴾ ’’روشنی پر روشنی!‘‘

یعنی جب اسے آگ دکھائی جائے تو وہ بھڑک اٹھتا ہے اور نورٌ علیٰ نور کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

گویا انسانی روح ایک نورانی یا ملکوتی چیز ہے۔ اس ملکوتی روح سے جب وحی یا قرآن کے نور کا اتصال ہوتا ہے تو نُورٌ عَلٰی نُوۡرٍ کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور اسی کیفیت سے نورِ ایمان وجود میں آتا ہے‘ جس سے بندۂ مؤمن کا دل منور ہوتا ہے۔

﴿یَہۡدِی اللّٰہُ لِنُوۡرِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ﴾ ’’اللہ ہدایت دیتا ہے اپنے نور کی جس کو چاہتا ہے۔‘‘

﴿وَ یَضۡرِبُ اللّٰہُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿ۙ۳۵﴾﴾ ’’اور اللہ یہ مثالیں بیان کرتا ہے لوگوں (کی راہنمائی) کے لیے‘ جبکہ اللہ تو ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔‘‘

فرمانِ نبویؐ

منہ پر تعریف کرنا

عَنۡ اَبِیۡ مُوۡسَی الۡاَشۡعَرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ قَالَ:((سَمِعَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ رَجُلًا یُثۡنِیۡ عَلٰی رَجُلٍ وَیُطۡرِیۡہِ فِی الۡمِدۡحِ فَقَالَ اَہۡلَکۡتُمۡ اَوۡ قَطَعۡتُمۡ ظَہۡرَ الرَّجُلِ))

(متفق علیہ)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سنا کہ ایک شخص دوسرے شخص کے منہ پر بہت مبالغہ کے ساتھ اس کی تعریف کر رہا ہے۔ تب آپؐ نے فرمایا: ’’تم نے تو اسے ہلاک کر ڈالا‘ (یا فرمایا کہ) تم نے تو اس کی کمر توڑ ڈالی۔‘‘

تشریح: حضور ﷺ نے تو روبرو تعریف کرنے کی بھی مذمت کی ہے چہ جائیکہ اِس میں مبالغہ کیا جائے اِس سے غلط فہمی اور کبر کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

ہفت روزہ
لاہور
ندائے خلافت

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان نظامِ خلافت کا نقیب

بانی: اقتدار احمد مرحوم

8 تا 14 شعبان 1442ھ جلد 30
23 تا 29 مارچ 2021ء شمارہ 11

مدیر مسئول حافظ عاکف سعید
مدیر ایوب بیگ مرزا
ادارتی معاون فرید اللہ مروت

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی
"دارالاسلام" ملتان روڈ چوہنگ لاہور۔ پوسٹل کوڈ 53800
فون: 78-35473375 (042)
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ 54700
فون: 03-35869501 فیکس 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 15 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک ......600 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا ------------ (2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے
Email:maktaba@tanzeem.org

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ
ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

23 مارچ: حقیقت کیا ہے؟

نوٹ: یہ تحریر 5 سال قبل لکھی گئی تھی جو قبل ازیں مارچ 2016ء میں ہفت روزہ ندائے خلافت میں شائع ہو چکی ہے۔ خصوصی اہمیت کے پیش نظر اور موجودہ حالات کے تناظر میں معمولی حک و اضافہ کے ساتھ قندِ مکرر کے طور پر شائع کی جا رہی ہے۔ (ادارہ)

پاکستان کی سیاسی تاریخ کا اگر جائزہ لیا جائے تو صورتِ حال پر اس سے بہتر تبصرہ نہیں ہو سکتا کہ سنتا جا اور شرماتا جا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ پہلے چار سال یعنی 1951ء تک کسی قدر خیریت گزری۔ بعد ازاں اگلے پینسٹھ (65) سال میں آپ کو جگہ جگہ دجل و فریب کی داستانیں بکھری ہوئی ملیں گی۔ قیامِ پاکستان کے ڈیڑھ سال بعد یعنی 1949ء میں آئین ساز اسمبلی نے قراردادِ مقاصد منظور کر لی۔ وہ بھی اس صورت میں جب شبیر احمد عثمانیؒ جیسی شخصیت نے اسمبلی میں حکمران مسلم لیگ کو دھمکی دی تھی کہ اگر تم لوگوں نے یہ قرارداد منظور نہ کی تو میں اسمبلی سے باہر جا کر پکار پکار کر لوگوں سے کہوں گا کہ مسلم لیگ نے ہم سب کو دھوکہ دیا ہے۔ شبیر احمد عثمانیؒ اُن چند مذہبی رہنماؤں میں سے تھے جنہوں نے علماء کی اپنی برادری سے اختلاف کر کے تحریکِ پاکستان اور مسلم لیگ کی حمایت کی تھی۔ بہرحال کھینچ تان کر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ لیاقت علی خان کی شہادت تک معاملات ابھی زیادہ خرابی کی طرف نہیں گئے تھے۔ ہم نے اپنی صورت کو ابھی اس قدر بگاڑا نہیں تھا کہ ہماری پہچان مسئلہ بنتی۔ بہرحال کہنے والے یہ کہتے ہیں کہ لیاقت علی خان کو ایک سازش کے تحت شہید ہی اس لیے کیا گیا تھا کہ اُنہوں نے طے کر لیا تھا کہ قراردادِ مقاصد کو ہر صورت اور جلد از جلد عملی جامہ پہنایا جائے۔ اس ظن کو اس انکشاف سے تقویت ملتی ہے کہ اُن کے قتل میں کمیونسٹ عناصر ملوث پائے گئے تھے اگرچہ اصل مجرموں تک پہنچنے کے لیے آج تک کوئی سنجیدہ کوشش اور تحقیقات وغیرہ نہیں کی گئیں۔

بہرحال ایک لیاقت علی خان کی شہادت ہی نہیں آج تک یہ بدقسمت قوم جتنے بھی سانحات سے دوچار ہوئی ہے اُن میں سے کسی ایک سانحہ کے ملزموں کا بھی تعاقب کر کے اُنہیں کٹہرے میں کھڑا نہ کیا گیا اور نہ کسی کو قومی مجرم قرار دے کر عبرتناک سزا دی گئی۔

23 مارچ یومِ پاکستان کے طور پر زور و شور سے منایا جاتا ہے۔ ہم چاہیں گے کہ 23 مارچ بطور یومِ پاکستان منانے کے حوالہ سے بھی ایک تکلیف دہ اور دلخراش حقیقت قارئین کے سامنے لائی جائے۔ پہلا سوال یہ ہے کہ 23 مارچ اگر یومِ پاکستان ہے تو 14 اگست کیا ہے؟ اگر ہم 23 مارچ کو یومِ پاکستان اس لیے قرار دیتے ہیں کہ 1940ء میں اس دن منٹو پارک لاہور میں ایک قرارداد منظور ہوئی تھی جو پاکستان کی آزادی کی بنیاد ثابت ہوئی، تو ہم بات کو اس حد تک تسلیم کر لیتے ہیں۔ یقیناً یہ قرارداد تحریکِ آزادی کی بنیاد بنی۔ اگرچہ یہ قرارداد لاہور کے عنوان سے پیش کی گئی تھی اور اس قرارداد میں پاکستان کا نام تک نہیں ہے اور

اس میں آزاد ریاست Independant state کا نہیں بلکہ آزاد مسلم ریاستوں کا ذکر ہے یعنی State کی بجائے States کا لفظ لکھا ہوا ہے۔ یہ اضافی ''S'' 1946ء میں کاٹا گیا۔ اسے قرارداد پاکستان تو ہندو پریس نے طنزیہ انداز میں کہا تھا۔ لیکن اور یہ بہت بڑا لیکن ہے کہ اگر 23 مارچ ہی یوم پاکستان ہے اور یہ اس لیے منایا جاتا ہے کہ 1940ء میں اس دن قیام پاکستان کے لیے قرارداد منظور ہوئی تھی تو قیامِ پاکستان کے بعد 1948ء سے لے کر 1955ء تک ہم یہ دن منانے کے حوالہ سے بالکل خاموش کیوں ہیں؟ حکومتی ریکارڈ کے مطابق مذکورہ 8 سالوں میں نہ یہ دن منایا گیا، نہ قومی تعطیل، نہ کوئی جشن، نہ کوئی پریڈ وغیرہ آخر کیوں؟

تاریخی حقیقت یہ ہے کہ 23 مارچ 1956ء کو اُس وقت کے وزیراعظم پاکستان چودھری محمد علی نے پاکستان کو پہلا آئین دیا تھا۔ پاکستان تخت برطانیہ کی ماتحتی سے اعلانیہ طور پر الگ ہو گیا تھا اور اس دن کو یوم جمہوریہ قرار دیا گیا تھا۔ 1957ء اور 1958ء میں بھی 23 مارچ کو بطور یوم جمہوریہ پاکستان منایا گیا۔ قومی تعطیل ہوئی اور تمام تقریبات منعقد ہوئیں۔ اکتوبر 1958ء میں جنرل ایوب خان نے ملک بھر میں مارشل لاء لگا دیا اور 1956ء کے آئین کو منسوخ کر دیا۔ گویا خاکی وردی والوں نے جمہوریت اور آئین سب کچھ اپنے بھاری بوٹوں تلے روند ڈالا۔ 1959ء میں جب 23 مارچ کی آمد آمد تھی تو فوجی حکمرانوں کے سامنے یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ وہ یوم جمہوریہ کس طرح منائیں؟ وہ اُس آئین کے بننے کا دن کیسے اور کیوں منائیں جسے وہ کفنا اور دفنا چکے ہیں۔ دوسری طرف اِن فوجی حکمرانوں کے سامنے اصل مسئلہ یہ تھا کہ اس روز عوام چھٹی منانے اور مختلف تقریبات منعقد کرنے کے عادی ہو چکے تھے۔ لہٰذا اس کا کیا کیا جائے؟ سول بیوروکریسی جس کی ذہانت اور فطانت ہمیشہ آڑے وقت میں ہر قسم کے حکمرانوں کے کام آئی اُسی کا مشورہ ہو گا کہ فکر مند ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ خوش قسمتی سے (حکمرانوں کی خوش قسمتی اکثر عوام کی بدقسمتی بن جاتی ہے) اسی روز یعنی 23 مارچ 1940ء کو منٹو پارک میں وہ قرارداد بھی تو منظور ہوئی تھی جسے سب مانتے ہیں کہ وہ تحریک پاکستان کی بنیاد بنی تھی۔ لہٰذا 23 مارچ کی تعطیل اور تقریبات کا تعلق 1956ء کے آئین سے ختم کر کے 1940ء کی قرارداد سے جوڑ دیا جائے اور پہلے سے بڑھ کر زور وشور سے تقریبات منعقد کی جائیں۔ عوام کا تعلق تو تعطیل اور رنگ برنگی تقریبات سے ہے۔ اُنہیں اس سے کیا فرق پڑے گا کہ 23 مارچ جو یوم جمہوریہ تھا، اب یوم پاکستان بن گیا ہے۔ عوام یقیناً اس غم میں دبلے نہیں ہوں گے کہ جمہوریت کی سالگرہ جمہوریت کی برسی کیوں بن گئی ہے؟ نوٹ کرنے کی بات یہ ہے کہ اڑھائی سالہ نوخیز کلی کو کھلنے سے پہلے زندہ درگور کرنے پر جمہوریت کے کسی چیمپیئن کا ضمیر نہ جاگا۔ ہمارے لیے تو جمہوریت نامحرم ہے، لہٰذا ہم نے اگر غضِ بصر سے کام لیا تو غلط نہیں کیا۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ ہمارے وہ سیاست دان جو دن رات جمہوریت کی رٹ لگاتے ہیں، جمہوریت کی خاطر اپنی قربانیوں کا ڈھول پیٹتے رہتے ہیں۔ وہ 23 مارچ کو یوم پاکستان قرار دے کر جمہوریت کے مزار پر چادر کیوں چڑھاتے ہیں؟ عاشقانِ جمہوریت یہ مسئلہ لے کر میدان میں کیوں نہیں نکلتے کہ 23 مارچ 1956ء کو اس سرزمین کو پہلا آئین ملا۔ تخت برطانیہ کی بالواسطہ غلامی بھی انجام کو پہنچی تھی۔ پاکستان کا گورنر جنرل پاکستان کا صدر بن گیا تھا۔ لہٰذا ہم اس دن کو بطور یوم جمہوریہ منائیں گے۔ ہم تاریخ کو درست کریں گے اور فوجی طالع آزما کی عیاری اور چالاکی کا پردہ چاک کریں گے کہ اُس نے اپنے غیر آئینی غیر قانونی اقدام کو جواز فراہم کرنے کے لیے یوم جمہوریہ کو یوم پاکستان میں کیوں بدل ڈالا؟ لیکن یقین مانیے کہ وہ کبھی ایسا نہیں کریں گے۔ اس لیے کہ اصل الاصول یہ ہے کہ ہر شے اپنے اصل کی طرف لوٹتی ہے۔ پاکستان میں صف اوّل کا کوئی لیڈر بھی ایسا نہیں ہے جو عوام کی پیداوار ہو۔ جس نے لیڈر بننے کے لیے G.H.Q کا سہارا نہ لیا ہو۔ ذوالفقار علی بھٹو اور میاں نواز شریف وزیراعظم بنے۔ انہیں عوام کی حمایت بھی حاصل ہوئی، لیکن دونوں پودے فوجی گملوں میں لگائے گئے تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو کو کون جانتا تھا؟ ایوب خان سندھ سے ایوب کھوڑو کو پیچھے دھکیل کر اس نوجوان کو آگے لائے۔ وہ ایوب خان کو ڈیڈی کہتے تھے اور اُن کی جمہوریت یہ تھی کہ اُنہوں نے تجویز کیا کہ ہر ضلع کے D.C کو مسلم لیگ کا صدر اور ایس پی سٹی کو سیکرٹری جنرل بنایا جائے۔ ایسا ہی تعلق میاں نواز شریف کا جنرل ضیاء الحق سے تھا۔ فوجی حکومت کا کل پرزہ بن کر اُنہوں نے سیاسی تربیت حاصل کی۔ وہ کچھ عرصہ پہلے تک کہتے رہے کہ میں جنرل ضیاء الحق کے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچاؤں گا۔

ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ یہ نام نہاد لیڈر جمہوریت سے مخلص نہیں ہیں۔ انہیں اقتدار اور قوت چاہیے تاکہ حکمرانی کے مزے لیں اور اس کے ذریعے اپنی دولت میں اضافہ کر سکیں۔ جمہوریت نظریہ نہیں ہے حصولِ اقتدار کا زینہ ہے۔ حقیقت میں ہمیں تو اپنی اور اپنے پیٹی بھائیوں کی فکر کھائے جا رہی ہے، لہٰذا معذرت کے ساتھ ہم یہ کہنے کی جرأت کریں گے کہ اسی آئینہ میں مذہبی راہنما اور کارکن بھی اپنا عکس دیکھیں اور سمجھنے کی کوشش کریں کہ پاکستان اسلام کی بجائے لبرل ازم کی طرف کیوں بڑھ رہا ہے؟ پاکستانی مسلمان کے مذہب سے جذباتی لگاؤ کے باوجود ہر سطح پر مذہب کے حوالہ سے یہ پسپائی کیسی ہے؟ کہیں یہاں بھی اخلاص کا فقدان تو نہیں؟ یہاں بھی آخرت کو دنیا پر ترجیح تو نہیں دی جا رہی۔ یہ سب کچھ اقتدار کی رسہ کشی کا حصہ تو نہیں ہے؟ دین کے حوالہ سے نعروں اور اجتماعات کے انعقاد پر اکتفا کیا جا رہا ہے اور تمام تر کاوشیں اور صلاحیتیں اصلاً دنیا کمانے میں صرف ہو رہی ہیں۔ خدارا اس نکتہ کو سمجھیں کہ صورت حال معلق نہیں رہ سکتی۔ اگر ہم نفاذ اسلام کے حوالے سے آگے نہیں بڑھتے تو پیچھے ہٹنا پڑے گا۔ یعنی اسلام کی طرف پیش رفت نہ ہوئی تو یقیناً سیکولرازم کی طرف بات بڑھے گی۔ اپنا محاسبہ کرنے اور نظر ثانی کر کے دنیا و آخرت کے خسارے سے بچنے کی تدبیر کرنا ہو گی۔ یقیناً آخرت کی فلاح ہی حقیقی فلاح ہے اور آخرت کا خسارہ ہی حقیقی خسارہ ہے۔ اور اس سے بچنے کے لیے اپنا رخ درست کرنے، پُرخلوص اور کمر توڑ جدوجہد کرنے کی ضرورت ہے۔ سو باتوں کی ایک بات کہ اللہ کی رضا حاصل کرنے کی ضرورت ہے لیکن فتنہ کے اِس دور میں اللہ کا دین نافذ کیے بغیر اللہ کی رضا حاصل نہیں ہو سکتی۔ ایک مومن صادق کے کرنے کا اصل کام یہی ہے۔ اے اللہ! اپنے نام لیواؤں کو اس کی توفیق عطا فرما۔ آمین یارب العالمین

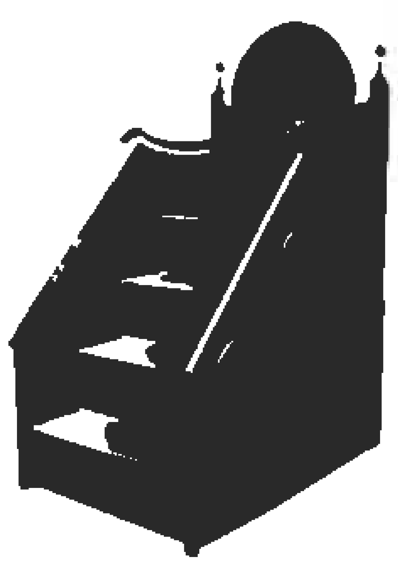

آخرت پر یقین کے اثرات

(سورۃ النجم کی آیت 26 تا 28 کی روشنی میں)

امیر تنظیم اسلامی محترم شجاع الدین شیخ کے جامع مسجد شادمان ٹاؤن کراچی کے ایک خطابِ جمعہ کی تلخیص

خطبہ مسنونہ اور تلاوت آیات کے بعد!

قرآن مجید کے سلسلہ وار مطالعہ کے ضمن میں آج ہم ان شاء اللہ سورۃ النجم کی آیت 26 سے مطالعہ شروع کریں گے۔ فرمایا:

﴿وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا﴾ ''اور کتنے ہی فرشتے ہیں آسمانوں میں جن کی شفاعت کسی کام نہیں آئے گی''

مشرکین مکہ نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دے کر انہیں اللہ کی الوہیت میں شریک قرار دیا ہوا تھا اور اپنے پاس سے یہ عقیدہ گھڑ رکھا تھا کہ یہ روز قیامت ہماری شفاعت کریں گے، چھڑا لیں گے، بچا لیں گے۔ یہاں ایسے باطل تصور کا رد کیا جا رہا ہے کہ ان کی شفاعت یا سفارش کسی کو نفع نہیں دیتی۔ قرآن میں اللہ نے فرمایا کہ یہ فرشتے خود اللہ کے حکم کے پابند ہیں:

﴿لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝﴾ (التحریم) ''اللہ ان کو جو حکم دے گا وہ فرشتے اس کی نافرمانی نہیں کریں گے اور وہ وہی کریں گے جس کا انہیں حکم دیا جائے گا۔''

فرشتے اللہ کی فرمانبردار مخلوق ہیں۔ وہ اللہ کے حکم کے پابند ہیں ان کا کوئی اختیار ایسا نہیں ہے کہ وہ اپنی من چاہی شفاعت کسی کی کرالیں۔ مشرکین نے بتوں کے متعلق بھی اسی طرح کے عقیدے گھڑ رکھے تھے۔ بتوں کے متعلق ان کا عقیدہ تھا کہ:

''یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے ہاں۔'' (یونس:18)

اللہ تعالیٰ تو فرما رہا ہے کہ اللہ کے مقرب فرشتے جو اس کے حکم کے پابند ہیں وہ بھی اللہ کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے تو تمہارے ان جھوٹے معبودوں کی حقیقت کیا ہے جن پر تم تکیہ کر کے جو چاہو سو کرتے چلے جاؤ۔ شفاعت تو اللہ کے حکم سے ہوگی۔ ہم آیت الکرسی تلاوت کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی کی تلاوت کی تلقین فرمائی اس کے اجر وثواب کو بھی بیان فرمایا۔ اس میں بھی ذکر ہے کہ:

''کون ہے وہ جو شفاعت کر سکے اس کے پاس کسی کی مگر اس کی اجازت سے!'' (البقرہ:255)

ایک شفاعت کے ہم قائل ہیں۔ اللہ کے رسول، خاتم الانبیاء، امام الانبیاء ﷺ بھی شفاعت کریں گے۔

مرتب: ابوابراھیم

اللہ ہم سب کو ان کی شفاعت عطا فرمائے۔ انبیاء کریں گے، رُسل کریں گے، اللہ کے نیک بندے کریں گے مگر جو کوئی بھی شفاعت کرے گا وہ اللہ کے اذن سے کرے گا، اللہ کے حکم سے کرے گا۔ دوسری بات یہاں پر یہ آرہی ہے کہ:

﴿اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَرْضٰى ۝﴾ (النجم) ''مگر اس کے بعد کہ اللہ جس کے لیے چاہے اجازت بخشے اور (سفارش) پسند کرے۔''

یعنی جس کے لیے اللہ چاہے گا اور جس کے لیے اللہ پسند فرمائے گا اس کے لیے اجازت دے گا۔ اصلاً یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ہی اذن سے ہوگا۔ البتہ اہل علم نے ایک نکتہ بیان فرمایا کہ انبیاء اللہ کے حضور التجا کریں گے، سب سے بڑھ کر امام الانبیاء ﷺ کریں گے۔ پھر اللہ دیگر رسولوں کو اجازت دے گا، نیک لوگوں کو شفاعت کی اجازت دے گا۔ یہاں اللہ انبیاء ورسل اور خاص طور پر امام الانبیاء کے مرتبے کا اظہار مخلوق کے سامنے کرے گا۔ یہ شفاعت حق ہے جس کے ہم قائل ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ کے حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت کی التجا بھی کرتے ہیں۔ مگر وہ جو مشرکین تکیے لگائے ہوئے تھے کہ یہ ہمارے جھوٹے معبود ہمیں چھڑا لیں گے۔ یہ بت جن کی ہم پوجا کرتے ہیں ہمیں چھڑا لیں گے۔ یہ شفاعت کا باطل تصور ہے۔ اس کی قرآن نفی کرتا ہے۔ آگے ارشاد ہوا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰۗىِٕكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ۝﴾ (النجم) ''یہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے انہوں نے فرشتوں کے مؤنث نام رکھ دیے ہیں۔''

مشرکین نے معاذ اللہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیا اور خود اپنے لیے وہ بیٹے پسند کرتے تھے۔ اصل میں جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہی ایسی حرکتیں کرتے ہیں۔ ہمارے اعمال پر سب سے زیادہ جو عقیدہ اثر انداز ہوتا ہے وہ آخرت کا عقیدہ ہے اور قرآن میں جا بجا آخرت کا موضوع بیان ہوا ہے۔ آج مسلمان معاشروں میں سب کو معلوم ہے کہ نماز فرض ہے، کسے معلوم نہیں کہ سود حرام ہے، قرآن کہتا ہے سود اللہ اور رسول ﷺ سے جنگ کے مترادف ہے۔ کسے معلوم نہیں کہ جھوٹ منع ہے، کسے معلوم نہیں کہ رشوت منع ہے، کسے معلوم نہیں کہ ماں باپ کا دل دکھانا منع ہے، کسے معلوم نہیں کہ مال حرام جہنم کے انگارے ہیں لیکن آج اکثر بے عملی کی وجہ یہی ہے کہ یقین

نہیں ہے کہ ہم نے مرنا ہے۔ کتنے آرام سے ایک شخص پوری قوم کو بیچ دیتا ہے یا کچھ افراد پوری قوم کی امانت ہڑپ کرجاتے ہیں۔ ہیر پھیر کرنا آج بائیں ہاتھ کا کام ہے۔ کیا یہ اللہ کو نہیں مانتے؟ بالکل مانتے ہیں، مسلمان ہیں، ہمارے معاشرے کے لوگ ہیں۔ اس شہر میں ڈیڑھ ڈیڑھ سولا شیں گرانے والے اور ہزاروں کو مروانے والے کیا کلمہ گو نہیں؟ یہ ساری بے عملی، یہ سارا فساد، یہ سارا گناہوں کا انبار اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی کھلی نافرمانیاں، ان سب کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ آخرت پر یقین نہیں ہے۔ لاہور میں کچھ عرصہ پہلے مسجد وزیر خان میں ڈانس پارٹی ہوئی۔ مساجد اللہ کے شعائر میں سے ہیں اور اسلام کے نام پر بننے والے ملک کا یہ حال ہے کہ مسجد میں ڈانس ہو رہا ہے، مسجد کے ساتھ فلم کی شوٹنگ ہو رہی ہے، مسجد کے سامنے حکومتی وزیر کی قیادت میں ڈھول باجے ہو رہے ہیں۔ معاملات یہاں تک پہنچے ہوئے ہیں۔ اس کی ایک ہی وجہ ہے کہ آخرت کا یقین نہیں ہے۔ اللہ کا کلام آخرت کے عقیدے کا بار بار ذکر کرتا ہے اور اس کے تعلق سے مشرکین کے طرزِ عمل کو بیان کرتا ہے۔ اس لیے نہیں کہ ہم پڑھ کر گزر جائیں کہ وہ تو مشرکین تھے ہم مسلمان ہیں۔ لیکن حقیقت میں یہ ہمارا بھی مسئلہ ہے کہ صرف آخرت کو ماننا کافی نہیں بلکہ اس کا یقین رکھنا ضروری ہے اور جب یقین ہوتا ہے تو پھر عمل ثبوت پیش کرتا ہے۔ آج ہمارے معاشرے میں بھی دین دشمنی، دین سے دوری، دین کے احکام کا کھلے عام مذاق اڑائے جانے کا معاملہ اس حد تک آگے بڑھ چکا ہے کہ ہماری حکومت اور ہماری عدالتیں سود کی حمایت میں ڈٹ کر کھڑی ہیں حالانکہ قرآن سود کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ قرار دیتا ہے۔ اسلام آباد ہائی کورٹ میں سود کا کتنے عرصے سے کیس چل رہا ہے جس میں تنظیم اسلامی بھی ایک فریق ہے لیکن بڑے آرام سے کیس کو لٹکایا جا رہا ہے۔ پھر حکومت نے ملکی سطح پر اربوں روپے کے سودی بانڈز ایشو کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون! حالانکہ آئین پاکستان کی شق 38-F تقاضا کرتی ہے کہ حکومت جلد از جلد سودی نظام کو ختم کر کے غیر سودی نظام لائے۔ لیکن 48 سال ہونے کو ہیں بجائے اس ضمن میں کسی پیش رفت کے اُلٹا حکومت سود کے خاتمے میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔ دو دفعہ عدالتوں سے بھی سود کے خلاف فیصلہ آچکا لیکن اس کے بعد اس کیس کو الجھا کر خواہ مخوا التوا میں ڈالا ہوا ہے۔ یہ سب اسی لیے ہو رہا ہے کہ ایسا کرنے والوں کو شاید اللہ کے سامنے حاضر ہونے کا احساس نہیں ہے۔ عام آدمی بھی اگر سودی اکاؤنٹ کھول رہا ہے تو وہ بھی حرام ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے لعنت فرمائی ہے سود لینے والے پر، دینے والے پر، معاملہ لکھنے والے پر اور گواہ بننے والے پر۔ اگر عام آدمی ایسا کر رہا ہے تو یہ بھی اللہ اور رسول ﷺ سے جنگ کے مترادف ہے اور پورے نظام سے ختم کرنے کا اختیار جن کے پاس ہے وہ اگر اس معاملے کو مزید طول دے رہے ہیں تو وہ بھی مجرم ہیں۔ چاہے عدالت کے ججز ہوں، وقت کے حکمران ہوں یا کوئی دوسری طاقت ہو، جس کسی کے پاس جتنا اختیار ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اتنا مکلف اور جوابدہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور جو اللہ کی اُتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں...... وہی تو ظالم ہیں...... وہی تو فاسق ہیں۔'' (المائدہ:44،45،47)

یعنی اگر کسی کے پاس اللہ کے حکم کو نافذ کرنے کا اختیار ہے اس کے باوجود وہ اس پر عمل درآمد نہیں کر رہا تو عمل کے اعتبار سے یہ کفریہ روش ہے، یہ باغیانہ روش ہے، یہ سرکشی کی روش ہے۔ انفرادی سطح پر اگر کسی نے سودی اکاؤنٹ کھول رکھا ہے اور سودی لین دین کر رہا ہے تو پھر یہ آیات اس کے لیے بھی ہیں۔ جن کے پاس ریاست کی طاقت ہے اور نفاذ کی قوت ہے وہ سب سے بڑھ کر جوابدہ ہیں۔ اللہ کا کلام ہم سب سے مخاطب ہے۔ الحمدللہ ہم پیدائشی مسلمان ہیں مگر پیدائشی مسلمان ہونا کافی نہیں ہے، ہمیں اپنے ایمان کی کوئی قیمت ادا نہیں کرنی پڑی ہے تو شاید مالِ مفت دلِ بے رحم والا معاملہ ہے۔ لیکن جو لوگ

پریس ریلیز 19 مارچ 2021ء

افغان امن معاہدہ ختم کر کے امریکہ خطے میں جنگ کے شعلے بھڑکا رہا ہے

شجاع الدین شیخ

افغان امن معاہدہ ختم کر کے امریکہ خطے میں جنگ کے شعلے بھڑکا رہا ہے۔ یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر شجاع الدین شیخ نے ایک بیان میں کہی۔ اُنھوں نے کہا کہ امریکہ کی تاریخ عہد شکنی سے بھری پڑی ہے ابھی ایران سے معاہدہ توڑنے کی بازگشت سنائی دے رہی تھی کہ اب اُس نے افغان امن معاہدہ کو ختم کرنے کا عندیا بھی دے دیا ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ امریکہ یہ فراموش کر رہا ہے کہ افغان امن معاہدہ ختم کر کے وہ کس قوم کو للکار رہا ہے۔ افغان طالبان نے گزشتہ بیس سال میں امریکہ کو ناکوں چنے چبوائے۔ اُنھوں نے کہا کہ اِس معاہدے کے ختم ہونے سے جنوبی ایشیا میں ایک مرتبہ پھر جنگ کے شعلے بھڑک اُٹھیں گے جو نہ صرف اِس خطے بلکہ عالمی امن کے لیے بھی انتہائی خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔ اُنھوں نے کہا کہ امریکہ کی یہ خواہش کہ افغانستان میں کوئی ایسی قومی حکومت قائم ہو جائے جس میں افغان طالبان بھی شامل ہوں بچگانہ ہی نہیں احمقانہ بھی ہے کیونکہ افغان طالبان تو افغانستان میں امارتِ اسلامیہ قائم کرنے کے لیے جہاد کر رہے ہیں لہٰذا اسلام دشمن قوتوں سے اتحاد ممکن نہیں۔ اُنھوں نے کہا کہ حقیقت یہ ہے کہ افغانستان میں اُس وقت تک اسلامی حکومت قائم نہیں ہو سکتی جب تک غیر ملکی افواج کا مکمل انخلاء اور افغانستان میں کٹھ پتلی حکومت کا خاتمہ نہیں ہو جاتا۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت، تنظیم اسلامی، پاکستان)

سمجھ کر، قربانیاں دے کر دینِ اسلام میں داخل ہوتے ہیں بعض اوقات ان کی زندگی دیکھ کر ہمیں رشک آتا ہے۔ ایک صاحب نے اسلام قبول کیا اور وہ کہیں سفر کر رہے تھے۔ ایئرپورٹ پر اترے تو کسی نے ان سے پوچھا کہ اسلام قبول کیا ہے تو بتاؤ نمازیں کتنی فرض ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میرے خیال میں چھ فرض ہیں۔ پوچھنے والے نے کہا نہیں پانچ فرض ہیں۔ انہوں نے جواب دیا پانچ فرض تو ہیں مگر جس رسول ﷺ کے ذریعے ہم تک دین پہنچا ہے انہوں نے تو تہجد کی نماز کبھی نہیں چھوڑی۔ یہ مسلم بائی چانس یا مسلم بائی چوائس کی بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نمازیں پانچ ہی فرض ہیں مگر امام الانبیاء ﷺ نے کبھی تہجد کو نہیں چھوڑا۔ تو وہ جو اسلام کو قبول کر کے سمجھ کر محمد مصطفیٰ ﷺ کی زندگی پڑھ کر آیا۔ اس نے کہا حضور ﷺ کو جب میں دیکھتا ہوں کہ وہ کبھی چھوڑتے نہیں ہیں تو میرے نزدیک چھ ہیں۔ صحابہ کرام ؓ سے پوچھا گیا کہ قرآن میں داڑھی کا حکم کدھر ہے؟ انہوں نے فرمایا قرآن کہتا ہے:

''اور جو کچھ رسولؐ تم لوگوں کو دے دیں وہ لے لو اور جس چیز سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔'' (الحشر: 7)

حضور ﷺ نے فرمایا داڑھی کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو کم کرو۔ معلوم ہوا کہ داڑھی رکھنے کا حکم بھی قرآن کے حکم کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ دے، ہمیں سچا پکا ایمان عطا فرمائے۔ وہ ایمان جو دل میں ہو اور پھر عمل اس کا ثبوت پیش کرتا ہو۔ اگر یقین کمزور ہے تو پھر انسان عمل سے فرار کے لیے خود ساختہ عقیدے اور تصورات گھڑ لیتا ہے جیسا کہ مشرکین نے فرشتوں اور بتوں سے ایسے عقائد وابستہ کر لیے تھے۔ آگے فرمایا:

﴿وَمَا لَهُم بِهِۦ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ ۖ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِى مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ﴿٢٨﴾﴾ ''اور ان کے پاس اس بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔ وہ نہیں پیروی کر رہے مگر صرف گمان کی۔ اور ظن تو حق سے کچھ بھی مستغنی نہیں کرسکتا۔'' (النجم)

یعنی انہوں نے جو بھی اپنے پاس سے عقیدے گھڑ لیے ہیں وہ صرف ان کے قیاس اور گمان پر مبنی ہیں۔ اللہ نے ان کی کوئی سند نہیں اُتاری۔ ان کی اپنی ایک سوچ ہے، ان کا اپنا ایک گمان ہے۔ یقینی علم صرف وہی ہے جو اللہ کی وحی کے ذریعے، پیغمبروں کے ذریعے مخلوق کو عطا ہوا، جو اللہ کی کتاب اور پیغمبروں کی تعلیم کے ذریعے لوگوں تک پہنچا۔ انسانی تجربات کے نتیجے میں ٹھوس حقائق کی بنیاد پر کوئی شے بندے کے سامنے آتی ہے وہ بھی حق ہوتی ہے، اس کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ سورج نکلتا ہے سامنے کا مشاہدہ ہے اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا لیکن تکے لگانا، گمان کی پیروی کرنا حق کے مقابلے میں کچھ کام دینے والی چیز نہیں ہے۔ قرآن اپنے ماننے والوں سے بھی یہ تقاضا کرتا ہے کہ چاہے تمہارا عقیدہ ہو، سوچ ہو، تمہاری فکر ہو اس کا بھی تمہیں علم ہونا چاہیے۔ قرآن اہل کتاب سے کہتا ہے:

﴿هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٦٤﴾﴾ (النمل) ''لاؤ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو؟''

نصاریٰ نے تثلیث کا تصور خود گھڑ لیا۔ انہوں نے اللہ، حضرت جبرائیل اور حضرت عیسیٰ ؑ کو اپنی جگہ خدا کا درجہ دے دیا۔ قرآن کہتا ہے یہ کیسا بھونڈا عقیدہ ہے۔ کوئی دلیل تو لے کر آؤ۔ جب قرآن اہل کتاب سے دلیل مانگ رہا ہے، جب قرآن یہ کہہ کر مشرکین کا رد کرتا ہے کہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے تو کیا خیال ہے قرآن کے ماننے والوں سے قرآن کا مطالبہ نہیں ہوگا کہ تمہارا عقیدہ، تمہاری سوچ، تمہارا فکر، تمہارا نظریہ اور تمہارا عمل علمی دلیل کی بنیاد پر ہونا چاہیے؟ قرآن سورۃ بنی اسرائیل میں کہتا ہے:

''اور مت پیچھے پڑو اس چیز کے جس کے بارے میں تمہیں علم نہیں۔ یقیناً سماعت، بصارت اور عقل سبھی کے بارے میں باز پرس کی جائے گی۔'' (بنی اسرائیل: 36)

کوئی بھی عقیدہ ہو، نظریہ ہو، فکر ہو اسے کسی دلیل کی بنیاد پر ہونا چاہیے۔ محض گمان اور تخمینے سے بات نہیں بنتی۔ حق کے مقابلے میں گمان اور تخمین کی قرآن نے ہمیشہ نفی کی ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ یہ چیز انسانوں کو قطعاً کوئی فائدہ دینے والی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں یقین اور ایمان کی دولت سے سرفراز فرمائے اور دنیا میں ایک بار پھر غلبہ دین کی جدوجہد کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

❀❀❀

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے ''شعبہ تحقیق اسلامی'' (IRTS)
کے زیرِ انتظام ابلاغِ عامہ وافادۂ عام کی ویب سائٹس

- www.tanzeemdigitallibrary.com بانیٔ تنظیم وصدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے دروس، خطابات وتصنیفات کا جملہ تحریری مواد یونی کوڈ کے سرچ ایبل فارمیٹ (Unicode searchable format) میں دستیاب ہے۔
- www.giveupriba.com انسدادِ سود کی کوششوں کے ضمن میں جملہ معلومات، تاریخی پس منظر، عدالتی فیصلے، قرآن وسنت کے حوالہ جات، معروف تفاسیر کے اقتباسات اور شرق وغرب کے نامور مفکرین کے اقوال وتحریرات اس ویب سائٹ پر دستیاب ہیں۔
- www.hafizahmedyar.com پروفیسر حافظ احمد یارؒ (سابق مدرس پنجاب یونیورسٹی وقرآن اکیڈمی لاہور) کا علمی خزانہ، قرآن مجید کی صرفی ونحوی ترکیب، بلاغتِ قرآن وآڈیو تفسیرِ قرآن اس ویب سائٹ پر دستیاب ہیں۔

انجینئر مختار فاروقی
0301-6998587
Email:hikmatbaalgha1@yahoo.com

15

حضورِ حق ــ 4 ــ (IV)

اگر می آید آں دانائے رازے
بدہ او را نوائے دل گدازے
ضمیرِ اُمتاں را می کند پاک
کلیمے یا حکیمے نے نوازے

ترجمہ و تشریح

(یہ رباعی مفہوم میں سابقہ رباعی کا تسلسل ہے۔ اگلا دانائے راز جوان حالات میں غلام اُمت کی صحیح رہنمائی کر کے ان کو مغربی استعمار کے فرعونی ہتھکنڈوں سے نجات دلائے گا۔) اے اللہ جب وہ دانائے راز آ جائے اس کو تو دے ایسا اندازِ گفتگو اور طرزِ کلام کہ سننے والے مسحور ہو جائیں اور اس کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو جائیں بلکہ اس کی رہنمائی میں ہر مہم جوئی کے لیے ہمہ وقت تیار ہو جائیں۔ اُمت مسلمہ کے زوال اور غیروں کی غلامی کی دو صدیوں کے بعد ان کو صیہونی سامراج کے تحت گزارے وقت کے اثراتِ بد سے نکالنا بھاری بھرکم کام ہے اور درحقیقت یہ مبارک اور مطلوبہ فریضہ وہی شخص ادا کر سکتا ہے جو ایک طرف قرآن و حدیث کو سمجھے، معرکہ روح و بدن میں روح (خودی) کے تقاضے سمجھتا ہو، عصر حاضر کے تقاضے اور علم کی سطح اور مخاطبین کی نفسیات و میلانات تک کو سمجھتا ہو، تاکہ مؤثر انداز میں ان کی چالوں کا توڑ کر سکے۔ یہ مشکل کام (GIGANTIC TASK) یا وہ 'کلیم' کر سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف خاص بھیجا گیا ہو اور اتھارٹی اور یقین سے بات کر سکتا ہو، یا ایسا 'حکیم' کر سکتا ہے جو حالات و واقعات کے سرد و گرم سے واقف ہو، قوموں کے مزاج و نفسیات کو سمجھتا ہو اور اندازِ گفتگو بڑا دل رُبا اور پُرکشش ہو کہ لوگ اس کی طرف کھنچے چلے آئیں۔ دنیا میں اچھی قیادت کی نشانیاں اب انسانیت کی مشترکہ متاع ہے، اچھی قیادت کی پہلی لازمی خصوصیت تو بلاخوفِ تردید یہی ہے کہ اپنے ہم وطن، ہم مسلک، ہم قوم اور نظریاتی ساتھیوں کے لیے مخلص ہونا، خلوص و اخلاص تو خشتِ اوّل ہے۔ اس کے بعد دنیا کی صحیح قیادت والے لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بنائے اسی کام کے لیے تھے اور مبعوث بھی اس کام کے لیے ہوئے یعنی جو خالق کائنات کے نمائندے تھے اور قوم کو آزاد کرانے کا مشن دے کر بھیجے جاتے تھے، مراد ہے پیغمبر (جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام جو کلیم کہلاتے ہیں) اور ان کے متبعین ان کی سمع و طاعت کرتے تھے، حکم مانتے تھے۔ دوسری قسم کے رہنما وہ ہیں جو کسی قوم کو آسمانی ہدایت کے تحت ہی آزادی، ترقی، کامیابی اور دنیاوی عروج کی طرف لے جاتے ہیں اور اس کام کے لیے اپنے ظروف و احوال کا صحیح ادراک رکھتے ہیں اور حکیم، دانا اور عقل مند کہلاتے ہیں بالفاظ دیگر وہ آنے والا دانائے راز آئے اور امت مسلمہ کی رہنمائی کرے۔ وہ مہدی ہو قرآن و سنت کے مطابق مسلمانوں کی رہنمائی کرے یا عام دانا مسلمان (حکیم) ہو جو مسلمانوں کو غلامی سے نجات دلا دے اور اندازِ گفتگو مسحور کن ہو۔

حضورِ حق ــ 4 ــ (V)

متاعِ من دلِ درد آشنائے است
نصیبِ من فغانِ نارسائے است
بخاکِ مرقدِ من لالہ خوشتر
کہ ہم خاموش و ہم خونیں نوائے است

ترجمہ و تشریح

اے اللہ! میری ساری زندگی کا حاصل (پونجی اور متاع) ایک دل ہے جو خدا شناس ہے، خود شناس ہے عشقِ رسول ﷺ سے لبریز ہے جس کی وجہ سے اُمتِ محمدیہ ﷺ کے درد سے آشنا ہے اور اس کے درد کو اپنے ذاتی درد (نفع و نقصان) سے زیادہ اہم سمجھتا ہے۔ قابلِ توجہ سمجھتا ہے اور ہمیشہ اس امت کے درد کو دور کرنے کے مسائل کو ذاتی مسائل پر ترجیح دیتا ہے۔ اے اللہ! میں تیرے گھر آ کر تجھ سے شکوہ کر رہا ہوں کہ میری زندگی بھر کی یہ کوشش ایک سعیٔ لاحاصل ہے کہ امت کا بڑا حصہ میرے اس احساس اور درد پر توجہ نہیں کرتا اور اس کے مطابق کام نہیں کرتا اس ساری زندگی کی محنت کا صلہ میرے نصیب میں ایک فغانِ نیم شبی ہے جو 'نارسا' ہے آپ کے ہاں بھی مقبول کا درجہ نہیں پا سکی (یقیناً اس میں میری کوتاہیوں اور بشری کمزوریوں کو دخل ہوگا) مگر اے میرے الٰہ! کیا تو میری آہ اور اُمت کے درد کی دعاؤں کو میری ذات سے بلند ہو کر نہیں دیکھ سکتا اور اس میں میری کوئی ذاتی غرض شامل نہیں ہے کہ میری منصوبہ بندی کا بڑا حصہ مغربی استعمار کے کارندے رکاوٹیں ڈال کر آگے نہیں بڑھنے دیتے۔ اے میرے الٰہ! کیا تو استعمار اور ابلیس کے کارندان کو کھلی چھوٹ دیے رکھے گا کہ میری زندگی کی محنت کا حاصل میری آنکھوں کے سامنے ختم ہو رہا ہے۔ (میں سوچتا ہوں!) کہ جب دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا اور کہیں چار اینٹیں ڈال کر مزار بنا دیا جائے تو مزار کی خاک سے تو وہ پھول خوشتر ہے کہ خاموش بھی ہے اور خونیں (سرخ خون سے بھری ہوئی) صدا بھی لگاتا ہے یعنی خاموشی سے اپنا پیغام بھی دیے جاتا ہے (اے اللہ! میری زندگی میں نہ سہی میری قبر سے ایک انقلاب کی راہ ہموار کر دے۔ علامہ اقبال اپنے اس تاثر کو زبورِ عجم حصہ اوّل کی نظم 19 میں یوں فرماتے ہیں ؎

یا بکش در سینۂ من آرزوئے انقلاب
یا دگر گوں کن نہاد ایں زمان و ایں زمیں   یا چناں کن یا چنیں!

اے اللہ! میرے سینے میں جو انقلاب کی خواہش ہے (کہ مغربی استعمار کو ختم کر کے نظامِ خلافت آ جائے) اس کو ختم کر دے یا اس کائنات کے فطری اور اجتماعی نظام میں تبدیلی کر کے قرآن کے مطابق بنا دے۔ اے اللہ یا یوں کر دے یا یوں!

سینٹ الیکشن میں خرید و فروخت سے ثابت ہوا کہ عمران خان جس تبدیلی کا نعرہ لگا کر آئے تھے اس میں وہ ناکام ہوئے ہیں۔ اگر وہ معاشرے کو کرپشن سے صاف کرنا چاہتے تھے تو ان کے پاس کرپٹ مافیاز سے نمٹنے کا پورا پلان ہونا چاہیے تھا: ایوب بیگ مرزا

جدید مغربی جمہوریت کے ذریعے یہاں تبدیلی ہرگز نہیں آسکتی۔ اگر تبدیلی لانی ہے تو ہمارے پاس اسلامی نظام کے سوا کوئی آپشن نہیں: رضاء الحق

سینٹ الیکشن میں کرپشن کی یلغار کے موضوع پر

حالات حاضرہ کے منفرد پروگرام ”زمانہ گواہ ہے“ میں معروف دانشوروں اور تجزیہ نگاروں کا اظہار خیال

میزبان: آصف حمید

سوال: سینٹ کے الیکشن میں جو کچھ ہوا کیا وجہ ہے کہ آج لوگ برائی کو برائی ہی نہیں سمجھتے؟

ایوب بیگ مرزا: حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی قوم اس طرح کی حرکات کرتی ہے تو اس کی پستی کا سفر شروع ہو جاتا ہے اور اس کی اخلاقی اقدار تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔ دنیا میں جن اقوام پہ زوال آیا تو ان میں سب سے پہلے اخلاقی زوال آیا، معاشی اور سیاسی زوال بعد میں آیا۔ قومیں اخلاقی زوال سے تباہ ہوتی ہیں۔ ہمارا ابھی یہی حال ہے۔ اصل میں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ یہ اس قوم کا معاملہ ہے جس نے پاکستان کا مطلب کیا: لاالہ الا اللہ! کا نعرہ لگا کر ملک حاصل کیا تھا، جس نے اسلام کو اپنا دین قرار دیا تھا جس کے آئین میں لکھا ہوا ہے کہ اسلام ریاست پاکستان کا دین ہے۔ آپ اسلام کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام کو بھی دیکھیں اور اس کے تناظر میں دیکھیں کہ ہم کہاں کھڑے ہیں۔ برنارڈ شاہ نے کیا خوب بات کہی تھی کہ ”جب میں اسلام کو دیکھتا ہوں تو اسے دنیا کا بہترین مذہب پاتا ہوں اور جب میں مسلمانوں کو دیکھتا ہوں تو انہیں دنیا کی بدترین قوم پاتا ہوں۔“ ہمارے لیے قابل شرم بات ہے لیکن بات سچی ہے۔ اس وقت ہمارے مسلمان معاشروں کی صورت حال حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے کے زمانہ جاہلیت سے بھی بدتر ہے۔ لوگوں کو نہ اپنے وعدوں کا پاس ہے، نہ کسی کی امانت کا خیال ہے۔ سینٹ الیکشن میں جنہوں نے ووٹ بیچے ہیں درحقیقت انہوں نے کسی کی امانت بیچی ہے، کسی کا اعتماد بیچا ہے۔ کسی نے کہا فاحشہ عورت اپنا جسم بیچتی ہے جو کہ بدترین گناہ ہے لیکن جو پوری قوم کا مفاد بیچ دیں تو وہ کتنا بڑا گناہ ہوگا؟ اسی طرح جنہوں نے ووٹ خریدے انہوں نے بھی غیر قانونی، غیر آئینی، غیر اسلامی، غیر شرعی، اور غیر انسانی کام کیا لیکن اس پر وہ شرمندہ ہونے کی بجائے خوشی منا رہے ہیں۔ یہ انسانیت ہے؟ پستی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی قوم سے دشمنی نہیں لیکن جس قوم کا کردار اور اخلاقی حالت ایسی ہو جائے تو پھر اس پر عذاب ہی آتے ہیں۔ آج ہم معاشی طور پر مفلوج ہیں،

مرتب: محمد رفیق چودھری

سیاسی طور پر بیگانوں کا نظام چلا رہے ہیں۔ معاشرتی طور پر کچھ اقدار باقی رہ گئی تھیں لیکن وہ بھی ”عورت مارچ“ جیسی خرافات سے ختم کی جارہی ہیں۔ یعنی ہر طرف سے ہم زوال کا شکار ہیں، یہ تباہی اور بربادی عذاب ہی تو ہے۔

سوال: کیا ملک میں دو ایوانوں کا ہونا جمہوریت کا لازمی حصہ ہے یا یہ کوئی کام نہ کرنے کا ایک بہانہ بن جاتا ہے؟

رضاء الحق: ہمارے سیاسی نظام میں ایوان زیریں (قومی اسمبلی) اور ایوان بالا (سینٹ) کا جو تصور ہے اس کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ انقلاب فرانس کے بعد جب جمہوریت کو عروج ملا تو ساتھ ہی صنعتی انقلاب بھی آ گیا جس کی وجہ سے سرمایہ دارانہ نظام کو طاقت ملی۔ پھر بیسویں صدی کے آغاز میں سوشل انقلاب کے نام پر انہوں نے (feminism) کو پروان چڑھانا شروع کیا۔ اصل میں یہ سب سرمایہ دارانہ نظام کی چھتری کے نیچے آسانی سے ہو رہا تھا جبکہ اس سے قبل بادشاہت کے نظام میں یہ ممکن نہیں تھا اس لیے سرمایہ دارانہ نظام کے تحت جمہوریت کو لے کر آئے اور جمہوریت میں مختلف ایوان انہوں نے تخلیق کیے تاکہ ان کے ذریعے feminism وغیرہ سمیت دجالیت کو پروان چڑھانے میں آسانی ہو سکے۔ اس وقت دنیا کے کئی ممالک میں دو ایوان موجود ہیں۔ ماضی قریب میں تقریباً ساٹھ کے قریب ممالک نے ایوان بالا سے چھٹکارا بھی حاصل کیا۔ اکثر ممالک میں دو ایوان مختلف شکلوں میں ہیں۔ جیسے برطانیہ میں ایک ہاؤس آف کامنز ہے اور ایک ہاؤس آف لارڈز ہے۔ ہم چونکہ پارلیمانی جمہوریت کے قائل ہیں اس لیے ہمارے ہاں بھی دو ایوان ہیں۔ امریکہ میں ہاؤس آف representatives اور سینٹ دو ادارے ہیں۔ دونوں کو ملا کر وہاں کی پارلیمنٹ کو کانگریس کہا جاتا ہے۔ وہاں سینٹ بہت طاقتور ہے اور خود قانون سازی کرتا ہے۔ حکومتی نمائندے بھی سینٹ کے سامنے جوابدہ ہوتے ہیں۔ سینٹ امریکی صدر کا بھی مواخذہ شروع کر سکتا ہے۔ یعنی امریکہ میں سینٹ سب سے طاقتور ادارہ ہے لیکن اس میں مختلف لابیز لابنگ کرتی رہتی ہیں جن میں بھارتی اور یہودی لابی سرفہرست ہیں لیکن یہودی لابی وہاں بہت بااثر ہے۔

سوال: کیا یہ لابیز کرپشن کرتی ہیں؟

رضاء الحق: کرپشن کے کئی طریقے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں پیسے کا لین دین بہت اہمیت رکھتا ہے۔ جبکہ امریکہ میں مفادات کا لین دین ہوتا ہے۔ بالخصوص پالیسی میکنگ کو دیکھا جاتا ہے۔ امریکہ میں صرف دو ہی پارٹیاں ہیں۔ اسی طرح برطانیہ میں لیبر پارٹی اور کنزرویٹو پارٹی ہے یا اب کچھ عرصہ پہلے سے وہاں پر لبرلز ڈیموکریٹس بھی آنا شروع ہوئے ہیں۔ لیکن اصل میں وہاں دو تین پارٹی سسٹم چل رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مستقل پالیسیز کو ترجیح دیتے ہیں جبکہ ہمارے ہاں بعض چیزیں غیر ضروری

ہیں جن میں ایک سینٹ بھی ہے۔اس کا مقصد یہاں صرف اتنا ہے کہ کچھ لوگوں کو نواز دیا جاتا ہے۔بظاہر کہا یہ جاتا ہے کہ اس کے ذریعے صوبوں کو متناسب نمائندگی دی جاتی ہے۔حالانکہ انتظامی لحاظ سے آپ دیکھیں تو بڑے صوبوں میں کئی علاقوں کو نمائندگی مل ہی نہیں رہی اور پھر پاکستان میں سینٹ اتنی طاقتور بھی نہیں ہے بلکہ اس کے پاس اختیارات تقریباً نہ ہونے کے برابر ہیں۔اگر قومی اسمبلی سے بل سینٹ چلا بھی جائے اور سینٹ اس کو مسترد کر کے واپس بھیج بھی دے تو پھر بھی بائنڈنگ نہیں ہوتا، اس کا فیصلہ پارلیمنٹ میں ہی ہوتا ہے۔البتہ چند صورتوں میں سینٹ کی ووٹنگ کے اندر کردار ہوسکتا ہے۔بنیادی طور پر کچھ ممالک میں بعض لوگوں کو خوش کرنے کے لیے ایسے ادارے موجود ہوتے ہیں جن میں ان کو لے آیا جاتا ہے جیسے برطانیہ میں ہاؤس آف لارڈ ہے۔وہاں لارڈز منتخب ہوکر نہیں آتے بلکہ محض خوش کرنے کے لیے کسی کو لاکر بٹھادیا جاتا ہے۔یعنی نوازنے کا ایک طریقہ ہے۔ایسے ہی یہاں پر نوازنے کے لیے جب آپ کو ایک ادارہ قائم کرنے کی ضرورت پڑی تو آپ نے سینٹ قائم کر دیا۔

سوال: کیا سینٹ جمہوریت کا لازمی جزو ہے اور ایسے ہی ہونا چاہیے جیسے کہ ہمارے ہاں ہے؟

ایوب بیگ مرزا: 1947ء میں جب پاکستان قائم ہوا تو یہاں کوئی سینٹ نہیں تھا۔قومی اسمبلی تھی اور صوبائی اسمبلیاں تھیں۔ 1956ء میں جب چودھری محمد علی نے پاکستان کا آئین بنایا تو اس میں بھی سینٹ کا کوئی تصور نہیں تھا۔1956ء کے آئین کو ایک مثالی آئین کہا جاتا ہے۔ اگرچہ اس کو اسلامی آئین نہیں کہیں گے لیکن اس کا رخ اسلامی آئین کی طرف تھا۔پھر 1958ء میں ایوب خان نے مارشل لاء لگایا تو یہ آئین ختم ہوگیا۔پھر 1962ء کے آئین میں بھی سینٹ کا کوئی تصور نہیں تھا۔حالانکہ وہ آئین ایک مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے بنایا تھا تو بہت سے لوگوں کو نوازا جاسکتا تھا۔سینٹ کا تصور پاکستان میں پہلی مرتبہ 1973ء کے آئین میں شامل کیا گیا۔میں سمجھتا ہوں کہ چونکہ سیاست میں آپ نے بہت سے لوگوں کو خوش رکھنا ہوتا ہے۔اس لیے جو اسمبلی کے ممبر نہیں بن سکتے انہیں سینٹ میں بٹھادیا جاتا ہے۔دراصل بھٹو کا خیال تھا کہ مشرقی پاکستان میں بعض علاقوں میں احساس محرومی ہے۔ جیسے بلوچستان رقبے کے لحاظ سے پنجاب سے بہت بڑا ہے لیکن زیادہ آبادی کی وجہ سے پنجاب کی سیٹیں بلوچستان کے مقابلے میں بہت زیادہ ہیں۔اسی طرح دیگر صوبوں کا معاملہ ہے۔لہٰذا ان میں کوئی احساس محرومی پیدا نہ ہو اس لیے سینٹ میں متناسب نمائندگی کا ایک تصور قائم کر دیا گیا۔لیکن سینٹ کے پاس کوئی خاص اختیار نہیں ہے۔ سینٹ حکومت کے راستے میں اس وقت حائل ہوسکتا ہے جب کوئی ایکٹ پاس ہونے کے لیے سینٹ میں جاتا ہے۔ اگر سینٹ اس کو پاس نہ کرے تو وہ قانون نہیں بن سکتا لیکن اس کے باوجود حکومت وہ قانون مشترکہ اجلاس میں پاس کرواسکتی ہے۔سینٹ کے پاس مالی اختیارات سرے سے نہیں ہوتے حالانکہ مالی اختیارات اتنے اہم ہوتے ہیں کہ اگر اسمبلی سے کوئی مالی بل پاس نہ ہو تو وزیر اعظم کو استعفیٰ دینا پڑتا ہے، کسی عدم اعتماد کی ضرورت نہیں پڑتی۔

سوال: سینٹ میں خفیہ ووٹنگ کیوں ہوتی ہے؟

> برنارڈ شاہ نے کہا تھا کہ: ”جب میں اسلام کو دیکھتا ہوں تو اسے دنیا کا بہترین مذہب پاتا ہوں اور جب میں مسلمانوں کو دیکھتا ہوں تو انہیں دنیا کی بدترین قوم پاتا ہوں۔“

ایوب بیگ مرزا: بنیادی طور پر اس ادارے کا مقصد ہی یہ تھا کہ لوگوں کو نوازا جائے، حالانکہ وزیر اعظم اور وزیر اعلیٰ کا انتخاب اوپن بیلٹ سے ہوتا ہے۔لیکن سینٹرز کا انتخاب خفیہ رکھا گیا ہے اور یہ چور دروازہ ہے۔ مجھے اس خفیہ بیلٹ میں کوئی مصلحت نظر نہیں آتی سوائے اس کے کہ قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلی کے کچھ لوگوں کو نوازا جائے۔ ظاہر ہے جو ووٹ خریدیں گے یا بیچیں گے تو مالی فائدہ دونوں کا ہوگا۔ایک کا بندہ آجائے گا ایک کو پیسے مل جائیں گے۔

سوال: اگر سینٹ کا انتخاب اوپن بیلٹ کے ذریعے ہوتا تو کیا پھر بھی خرید وفروخت ہوتی؟

ایوب بیگ مرزا: اگر اوپن بیلٹ کے لیے ذریعے انتخاب ہو تو خرید وفروخت ہرگز نہیں ہوسکتی۔کیونکہ اس صورت میں آپ اپنی پارٹی کے خلاف ووٹ دے ہی نہیں سکتے ورنہ آپ کو اپنی سیٹ سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔یہی وجہ ہے کہ جب وزیر اعظم نے اعتماد کا ووٹ لیا تو ان لوگوں نے بھی ووٹ پارٹی کے حق میں دیا جنھوں نے سینٹ کے انتخاب میں اپنا ووٹ بیچا تھا۔اس لیے کہ اعتماد کا ووٹ اوپن تھا۔لہٰذا خفیہ بیلٹ ایک چور دروازہ ہے۔

رضاء الحق: یہ پورا نظام کوئی ایک دن میں نہیں بنا۔ بلکہ لوگوں کے ذہنوں میں اس بات کو پختہ تر کرنے میں مغرب نے صدیوں محنت کی ہے کہ جمہوریت کے علاوہ کسی نظام کے بارے میں سوچا بھی نہیں جاسکتا۔جیسا کہ 1996ء میں فرانسس فوکایاما نے "The End of History and The Last Man." نامی کتاب لکھی جس میں اس نے اپنے تئیں یہ ثابت کرنے کی پوری کوشش کی کہ جدید مغربی تہذیب جس جگہ پر آکے کھڑی ہوچکی ہے اس سے آگے کوئی تہذیب نہیں جاسکتی۔یہ عروج ہے۔اصل بات وہی ہے کہ انہوں نے لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھادی ہوئی ہے کہ جدید مغربی جمہوریت کے علاوہ کوئی نظام اب ہوگا ہی نہیں۔ہمارے جیسے معاشروں کا بہرحال ایک تاریخی پس منظر ہے جس میں نوآبادیاتی دور بھی آتا ہے اور آزادی کے بعد جاگیرداری، وڈیرہ شاہی اور سرمایہ دارانہ نظام بھی بڑھتا ہوا نظر آیا اور کرپشن کے ماڈل بھی ہمارے سامنے آئے۔ہماری سیاست میں بھی سارا پیسے کا ہی کھیل ہے۔اب یہ خاندانی بزنس بن چکا ہے، لوگ نسلوں کا مستقبل محفوظ بنانے کے لیے سیاست میں آتے ہیں۔ اخلاقیات کی کوئی اہمیت نہیں رہی۔پیسہ اور خاندان کی سیٹ بچانا ترجیح بن چکی ہے۔لہٰذا یہ چور دروازے آپ کو عدلیہ، بیوروکریسی سمیت ہر جگہ نظر آئیں گے۔عزیر بلوچ جیسے مجرم یہاں باعزت بری ہو جاتے ہیں حالانکہ کتنی گواہیاں اس کے خلاف موجود تھیں۔لہٰذا کہیں نہ کہیں سقم تو موجود ہے۔یہی چیز ہمیں عوام کے اندر بھی نظر آتی ہے۔

سوال: پچھلے الیکشن کی نسبت اس دفعہ سینٹ کے الیکشن میں ہارس ٹریڈنگ زیادہ عروج پر نظر نہیں آئی؟

ایوب بیگ مرزا: سینٹ کے الیکشن میں ہارس ٹریڈنگ ہمارا پرانا مشغلہ ہے۔لیکن اس دفعہ ہوا یہ کہ جب کافی شہرت رکھنے والے دو بندے آمنے سامنے آگئے تو میڈیا نے اس کو بڑی ہائپ دے دی۔اس پر پھر ہارس ٹریڈنگ بھی بہت زیادہ ہوئی۔اندازہ کریں کہ سنجرانی کے خلاف سینٹ میں عدم اعتماد کی تحریک آئی۔اس کے پاس ووٹ کم تھے لیکن وہ تحریک ناکام ہوگئی۔اصل میں ہماری بدقسمتی، نااہلی، نالائقی یا بدمعاشی کہہ لیں کہ ہم نے ہر نظام سے صرف برائیاں ہی لی ہیں۔سرمایہ دارانہ نظام میں بھی آپ کو اچھی چیزیں مل جائیں گی اور جمہوریت میں بھی آپ کو کئی خوبیاں مل جائیں گی مگر ہم نے ان خوبیوں کو نہیں اپنایا بلکہ ان کی برائیاں کو اپنایا۔جمہوریت میں آزادی اور

مساوات کا جو تصور ہے وہ ہم نہیں لیتے بلکہ اس کے اندر صرف خرید وفروخت کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام ایسا استحصالی نظام ہے کہ کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی کہ اس کا دفاع کیا جا سکے لہٰذا اس کے اوپر جمہوریت کا خوبصورت سا پردہ ڈال دیا گیا۔ ہمارے ہاں علماء کا معاملہ یہ ہے کہ وہ جب جمہوریت پر حملہ کرتے ہیں تو یہ نہیں دیکھتے کہ یہ کھڑی کس پر ہے۔ آج آپ سرمایہ دارانہ نظام کا تیا پانچہ کر دیجیے جمہوریت ایسے گرے گی جیسے کبھی کھڑی نہیں تھی۔

سوال: میڈیا جمہوریت کے حوالے سے کیا کردار ادا کر رہا ہے؟

رضاء الحق: میڈیا ایک ٹول ہے جو باقی ٹولز کی طرح باطل نظام کو مسلط کرنے کے لیے بھرپور طور پر استعمال ہوتا ہے۔ المیہ یہ ہے کہ ہم بحیثیت مجموعی باطل نظام کو اپنا چکے ہیں۔ حتیٰ کہ ہماری دینی سیاسی جماعتیں بھی یہ تو نہیں کہتیں کہ عوام کی حاکمیت اعلیٰ ہونی چاہیے لیکن وہ یہ ضرور کہیں گے کہ عوام کی بالادستی ہونی چاہیے، وہ بھی جمہوریت کا لفظ بار بار استعمال کرتی ہیں۔ اگر تو یہ اس قوم کا معاملہ ہوتا جس کے پاس اپنا نظام نہ ہوتا تو پھر ہم کہہ سکتے تھے کہ جدید مغربی جمہوریت کو ہی بنیاد بنا کر اسلام کو اس میں داخل کرنا شروع کر دیں۔ ہمارے لیے سب سے بڑا لمحہ فکریہ اور پیچھے رہ جانے کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اسلام کو بنیاد بنا کر دوسروں سے اچھی چیزیں نہیں لیں بلکہ ہم اب بھی جمہوریت ہی کو بنیاد بنا رہے ہیں کہ اس کے ذریعے ہم تبدیلی لائیں گے۔ لیکن جدید مغربی جمہوریت کے ذریعے تبدیلی نہیں آسکتی۔ اگر تبدیلی لانی ہے تو اس کو ختم کرنا پڑے گا اس کی جگہ ایک ایسا نظام لے کر آنا پڑے گا جس کی بنیاد اسلام پر ہو۔ میڈیا جس ایجنڈے کی بنیاد پر کام کر رہا ہے وہ اسلام کو کبھی سپورٹ نہیں کرے گا۔

سوال: یوسف رضا گیلانی کی کامیابی اور پھر عمران خان کا اعتماد کا ووٹ لینا، کیا عمران خان کی پلاننگ دور اندیشی پر مبنی تھی؟

ایوب بیگ مرزا: یوسف رضا گیلانی کی جیت دونوں بڑی پارٹیوں کے لیے شرمندگی کا باعث ہے۔ عمران خان کے بارے میں یہ کہوں گا کہ وہ اتنے کمزور آرگنائزر ہیں کہ ان کے ساتھ کے لوگ یوں پیسے لے کر الگ ہو گئے۔ عمران لوگوں کو صحیح طرح اپنے ساتھ جوڑ نہیں سکے۔ المیہ یہ ہے کہ بکنے والوں کو کوئی شرمندگی نہیں ہے اور خریدنے والے لڈیاں ڈال رہے ہیں جیسے کوئی بہت بڑا کارنامہ سرانجام دے دیا ہو۔ حالانکہ یہ غیر قانونی کام تھا۔ جہاں تک اعتماد کا ووٹ لینے کا تعلق ہے تو یہ ایک قسم کی تلافی کی کوشش تھی کیونکہ حکومت کا مرکزی اُمیدوار ہار گیا جس سے حکومت کی شہرت کو نقصان پہنچا تھا۔ لہٰذا انہوں نے اس کی تلافی کی کوشش کی۔ دوسری طرف یہ ایک جرأت مندانہ قدم تھا کیونکہ بہت سارے تبصرے ایسے آرہے تھے کہ یہ اعتماد کا ووٹ نہیں حاصل کر سکے گا اور ان کو بہت سے مشورے دیے گئے کہ وہ یہ خطرہ مول نہ لیں۔

کیونکہ اعتماد کا ووٹ لینا بہت مشکل ہوتا ہے اور عدم اعتماد کا مقابلہ کرنا بہت آسان ہوتا ہے۔ اس وقت سبھی کہہ رہے ہیں کہ عمران خان جس تبدیلی کا نعرہ لگا کر حکومت میں آئے تھے اس میں وہ ناکام ہوئے ہیں۔ عمران خان کا کوئی سپورٹر بھی اگر یہ کہے کہ عمران خان کامیاب ہوئے ہیں تو وہ غلط کہہ رہا ہے۔ حالات بتا رہے ہیں کہ غلطی تبدیلی نہ لانا نہیں بلکہ اصل غلطی اقتدار میں آنا تھا۔ کیونکہ اگر آپ تبدیلی لانا چاہتے تھے، اگر آپ معاشرے کو کرپشن سے پاک کرنا چاہتے تھے تو آپ کے پاس کرپٹ مافیاز سے نمٹنے کا پورا پلان ہونا چاہیے تھا۔ منشور جتنا بھی اچھا ہو لیکن پلان نہ ہو تو اس نظام میں تبدیلی لانا ناممکن ہے۔

سوال: موجودہ جمہوری سیٹ اپ کے ہوتے ہوئے کوئی بہتری کی امید ہے؟

ایوب بیگ مرزا: اصل میں اس پورے سیٹ اپ کو اب اپ سیٹ کرنا پڑے گا۔ بقول اقبال ؎

ایک فریاد ہے مانند سپند اپنی بساط
اسی ہنگامے سے محفل تہ و بالا کر دیں

جب تک یہ سیٹ اپ ختم نہیں ہوگا کوئی تبدیلی اس ملک میں نہیں آسکتی بلکہ معاملہ بد سے بدتر ہوتا چلا جائے گا۔

سوال: کیا موجودہ سیٹ اپ کو اپ سیٹ کرنا آج کل کے حالات میں ریاست کے مفاد میں ہوگا؟

رضاء الحق: اگر ہم دین کے لحاظ سے دیکھیں تو یہ اپ سیٹ ریاست کے مفاد میں ہوگا لیکن اگر ہم دنیاداری اور دنیا کے موجودہ نظام کے لحاظ سے دیکھیں تو ریاست یہی چاہے گی کہ جیسے دنیا کا چلن ہے ویسا ہی چلن ہونا چاہیے۔ اس وقت ساری دنیا میں کرپشن موجود ہے لیکن مختلف طریقوں سے ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ جو ہمارا دین ہمیں ماڈل دیتا ہے جب تک اس کی طرف نہیں لوٹیں گے ہمارے پاس بچنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

❁❁❁

قارئین پروگرام "زمانہ گواہ ہے" کی ویڈیو تنظیم اسلامی کی ویب سائیٹ www.tanzeem.org پر دیکھی جا سکتی ہے۔

شعبہ خط و کتابت کورسز کی تاریخ میں ایک اور سنگِ میل کا اضافہ!!

آن لائن کورس

- کیا آپ جاننا چاہتے ہیں؟ ازروئے قرآن ہماری دینی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ نیکی اور تقویٰ اور جہاد اور قتال کی حقیقت کیا ہے؟
- کیا آپ دین کے جامع اور ہمہ گیر تصور سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں؟
- کیا آپ قرآن حکیم کی فکری اساس اور بنیادی عملی ہدایات سے روشناس ہونا چاہتے ہیں؟
- کیا آپ نجی مجالس میں اسلام پر ہونے والی تنقید کا مناسب اور مدلل جواب دینے کی اہلیت حاصل کرنا چاہتے ہیں؟

تو

صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم ومغفور کے مرتب کردہ
"مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب" پر مبنی
"قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی کورس" سے استفادہ کیجیے
یہ کورس (جو ایک عرصہ سے بذریعہ خط و کتابت کروایا جا رہا ہے) شائقین علوم قرآنی کی دیرینہ خواہش پر

الحمدللہ! اب یہ کورس آن لائن (ONLINE) بھی شروع ہو چکا ہے

برائے رابطہ: انچارج شعبہ خط و کتابت کورسز، قرآن اکیڈمی، K-36، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: (92-42)35869501-3 E-mail:distancelearning@tanzeem.org

اسلام کا معاشی اور اقتصادی نظام (۷)

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ علیہ

(گزشتہ سے پیوستہ)

اخلاقی اور قانونی نظامِ معیشت لازم وملزوم

ایک اور بات اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ اسلامی معاشرے میں اگر صرف اسلام کا قانونی معاشی نظام بتمام و کمال قائم بھی ہوجائے تو اس سے مطلوبہ مقاصد اُس وقت تک حاصل نہیں ہوں گے جب تک کچھ نہ کچھ لوگ‘ خواہ بہت ہی قلیل تعداد میں ہوں‘ ایسے نہ ہوں جو اس روحانی معیار پر زندگی بسر کر رہے ہوں۔ اس لیے کہ وہ pace-makers بنتے ہیں‘ دوسروں کے لیے معیار اور نمونہ بنتے ہیں‘ وہ اقدار کو معین کرتے ہیں‘ عوام ان کو دیکھتے ہیں کہ ایسے بھی لوگ ہو سکتے ہیں اور ہیں! اس سے معاشرے کی اخلاقی روایات بنتی ہیں کہ اصل عزت نیکی‘ تقویٰ اور خدا ترسی کی ہے‘ دولت کی نہیں ہے۔ ورنہ رفتہ رفتہ وہ صورت ہو جاتی ہے جو آج ہمارے معاشرے میں ہے کہ لوگ دولت کی بنیاد پر عزت کے مستحق سمجھے جاتے ہیں اگرچہ معلوم بھی ہے کہ یہ بالکل حرام ذرائع سے کمائی گئی ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک دولت کے ساتھ عزت تو تھی‘ لیکن حرام ذریعے سے کمائی گئی دولت کے ساتھ عزت نہیں تھی‘ جبکہ موجودہ دور میں ہم بہت ہی پستی کی طرف پہنچ گئے۔ ہمارے معاشرے میں عزت و احترام کی بنیاد صرف دولت و ثروت اور حکومت واقتدار بن کر رہ گئے ہیں‘ حالانکہ لوگوں کو خوب معلوم ہوتا ہے کہ یہ دولت حرام اور ناجائز ذرائع سے کمائی گئی ہے اور یہ اقتدار بھی دھن‘ دھونس اور دھاندلی کے ذریعے سے حاصل کیا گیا ہے۔ اگر معاشرے میں pace-makers موجود ہوں تو وہ معاشرے کے اندر ایک معیار قائم کر کے لوگوں کے لیے ایک مثال بنیں گے اور وہ درحقیقت اسلام کی اس اعلیٰ روحانی تعلیم کا بھی ایک نمونہ اور مظہر لوگوں کے سامنے پیش کریں گے۔ تب اس قانونی نظام کی برکات صحیح طور پر ظاہر ہو سکیں گی۔

اس کی ایک مثال ملاحظہ کیجیے‘ جو کوئی بہت زیادہ پرانی نہیں ہے‘ ابھی تقریباً دو سو سال بھی نہیں ہوئے۔ امیر خان والی ٹونک نے چند گاؤں کا ایک وثیقہ اور دستاویز بنا کر پانی پت کے ایک درویش سلسلہ مجددیہ نقشبندیہ کے بزرگ حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ کو بھیجی کہ یہ چند گاؤں آپ کی خانقاہ کے نام لگاتا ہوں‘ ان کی آمدنی آپ کی خانقاہ میں آتی رہے گی اور آپ کے ہاں جو مسترشدین ہیں اور جو رشد و ہدایت کا سلسلہ ہے‘ اس کی مالی کفالت ہوتی رہے گی۔ انہوں نے اسی دستاویز کی پشت پر ایک شعر لکھ کر اسے واپس بھجوا دیا ؎

ما آبروئے فقر و قناعت نہ باختیم
با میر خان بگوئے کہ روزی مقدر است!

’’ہم یہ جاگیر قبول کر کے اپنے فقر اور درویشی کی عزت و آبرو کا سودا کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ امیر خان سے کہہ دو کہ ہماری روزی ہمارے پروردگار کی جانب سے مقرر ہے۔‘‘

یہ اسی طرح کا واقعہ ہے جیسے حج کے موقع پر ایک صاحب علم وفضل کے اردگرد لوگوں کا رجوع عام اور خلقت کا اژدہام دیکھ کر ملکہ زبیدہ نے ہارون الرشید سے کہا تھا: ’’اصل حکومت تو ان کی ہے نہ کہ تمہاری‘‘۔ یعنی اصل بادشاہ تو یہ درویش ہے جس کے گرد لوگ عقیدت کے ساتھ جمع ہیں جبکہ تمہارے ساتھ تو یہ تنخواہ یافتہ پہرے دار ہیں۔ معاشرے کے اندر روحانی نظامِ معیشت پر عمل پیرا فقراء اور درویش ضرور موجود ہونے چاہئیں خواہ وہ لاکھوں کروڑوں میں ایک دو آدمی ہوں‘ اس لیے کہ وہ اس معاشرے کے اندر رجحان اور اقدار کا تعین کرتے ہیں۔

سرمایہ داری اور اسلامی نظام میں مالی فرق و تفاوت کو کم کرنے کا طریقہ کار

میں نے اسلام کے قانونی نظامِ معیشت کو منضبط اور محدود سرمایہ داری (managed and controlled capitalism) سے تعبیر کیا ہے‘ لہٰذا اسی کے حوالے سے میں اس کی وضاحت کروں گا۔ آج کل اس مفہوم کو داخلی منضبط سرمایہ داری (internally managed capitalism) کے الفاظ سے ادا کیا جا رہا ہے۔ اصل سرمایہ داری (capitalism) تو یہ ہے کہ میرا سرمایہ ہے اور میرے یہ شرائط وضوابط (terms and conditions) ہیں‘ آپ کام کرنا چاہیں تو کیجیے‘ نہیں کرنا چاہتے تو مت کیجیے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ یہ میرا اختیار ہے اور میں اس میں آزاد ہوں کہ جب چاہوں کارخانہ بند کر سکتا ہوں۔ آپ کو بھی کام کرنے یا نہ کرنے کی آزادی ہے۔ اب اس نظام سے ’’مترفین‘‘ یعنی haves اور ’’محرومین‘‘ یعنی have-nots کے درمیان تقسیم بڑھنی شروع ہوئی تو سرمایہ داروں کو خود بخود ایک خطرے کا احساس ہوا کہ یہ پریشان بے روزگار زیادہ بپھر گئے تو کہیں ہماری تجوریوں پر نہ ٹوٹ پڑیں اور ہمارے محلات پر حملہ آور نہ ہو جائیں۔ لہٰذا ان کو کچھ نہ کچھ خیرات دی جائے اور یہ جو haves and have-nots کا فاصلہ ہے اسے کسی نہ کسی درجے میں کم کیا جائے۔ سرمایہ دارانہ نظام کی اس ناگزیر ضرورت کے تحت مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام نے مترفین اور محرومین کے اس فاصلے کو کم کرنے کے لیے مختلف کوششیں کیں۔ چنانچہ ایک طرف ٹریڈ یونینز قائم ہوئیں کہ مزدوروں کے حقوق کا تحفظ کیا جائے اور دوسری طرف بے روزگاری (unemployment) الاؤنس کا اجرا کیا گیا کہ کم سے کم گزارہ (subsistance) الاؤنس تو آدمی کو ملے تاکہ وہ معاملہ طے کرنے (bargaining) کی پوزیشن میں ہو اور وہ کارخانہ دار اور سرمایہ دار کے ساتھ پاؤں جما کر تو بات کر سکے کہ تم میری صلاحیت اور محنت کے بقدر صحیح اجرت دو گے تو کام کروں گا ورنہ نہیں کروں گا۔ مجھے یہ خطرہ نہیں ہے کہ کل میرے بچے کو فاقہ آ جائے گا‘ اس لیے کہ مجھے بے روزگاری الاؤنس مل جائے گا جو ریاست کے ذمے ہے۔ اسی کو امریکہ اور بعض یورپی ممالک میں اجتماعی بہبود (ویلفیئر) کے نام سے جاری کیا گیا ہے کہ بے گھروں کو گھر دینا اور بنیادی ضروریات کی فراہمی حکومت کے ذمے ہے۔ اس کا بھی بنیادی مقصد یہی ہے کہ آپ مزدور کو ایک bargaining پوزیشن دے دیں کہ اگر آپ کو صحیح اجرت پر صحیح کام مل رہا ہے تو کریں‘ اگر نہیں مل رہا تو انکار کر دیں۔ اس پر آپ سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ کم

پر کیوں کام نہیں کرتے؟ ہم سرمایہ داروں کے سرمائے پر ٹیکس لگا کر اتنا جمع کر لیں گے کہ تمہاری بنیادی ضروریات پوری کر سکیں۔

’’Give the devil his due.‘‘ کے مصداق ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ سکنڈے نیوین سوشلزم میں ویلفیئر سٹیٹ کا یہ تصور اپنی اعلیٰ ترین شکل کو پہنچ گیا ہے اور واقعتاً ایک اعتبار سے انسان معراجِ انسانیت پر پہنچ گیا ہے۔ ایک طرف کروڑوں اربوں کا مالک ہے جو لاکھوں ڈالرز میں ٹیکس دے رہا ہے اور ایک طرف ایک آدمی ویلفیئر الاؤنس پر زندگی بسر کر رہا ہے‘ لیکن ان دونوں کی اولاد ایک سطح پر تعلیم پائے گی‘ علاج دونوں کا ایک لیول کا ہوگا‘ یعنی علاج اور تعلیم ریاست کے ذمے ہے اور وہ بچے ایک فرد کے نہیں بلکہ قوم کی امانت اور ملکیت ہیں۔ اس اعتبار سے تو یہ بہت اعلیٰ نظام معلوم ہوتا ہے مگر بعض پہلوؤں سے اس میں بہت ہی پستی ہے۔ اس معاشرے میں عائلی اور معاشرتی نظام درہم برہم ہو گیا ہے اور خاندان کا ادارہ ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا ہے۔ عورت کی حرمت جس طرح وہاں پامال ہوئی ہے پوری دنیا میں کہیں نہیں ہوئی۔ جنسی بے راہروی کا جو طوفان وہاں آیا ہے اور کہیں نہیں آیا۔ پھر یہ کہ خودکشیاں سب سے زیادہ وہاں ہو رہی ہیں جہاں ویلفیئر کا نظام اپنی اس انتہا کو پہنچ گیا ہے۔ اس کا سبب وہی ہے کہ ان کا عائلی نظام درہم برہم ہو گیا ہے۔ قرآن مجید نے عائلی نظام کا ایک ہدف یہ بھی بتایا ہے: ﴿لِّتَسۡکُنُوۡۤا اِلَیۡهَا﴾ (الروم:21) یعنی یہ ازدواجی نظام ذہنی تسکین کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اگر وہاں سکون ہو‘ اطمینان ہو‘ باہمی اعتماد ہو تو پھر کسی سکون آور یا خواب آور دوائی کی بھی ضرورت نہیں ہوگی۔ جب وہاں تسکین نہیں ہے تو خودکشیاں تو ہوں گی کیونکہ یہی چیز ہے جو انسان کے لیے سب سے زیادہ سوہانِ روح بنتی ہے۔ یہ پستی کی انتہا ہے۔ بہرحال یہ تسلیم کیا جانا چاہیے کہ سکنڈے نیوین ممالک میں ایک بار یہ نظام اپنی ناقابلِ یقین حد تک پہنچ گیا تھا‘ تاہم چونکہ یہ معاملہ غیر فطری اور غیر طبعی تھا اس لیے کسی قدر نیچے اترنے پر مجبور ہو گیا۔ امریکہ اس اعتبار سے بہت دُور ہے‘ اس لیے کہ امریکہ میں تو آپ کو علاج بھی خریدنا پڑتا ہے اور تعلیم بھی خریدنی پڑتی ہے‘ آپ کو بڑی بھاری فیسیں دینی پڑتی ہیں۔ یہ ہے سرمایہ دارانہ نظام کا اندرونی انضباط (internally management)۔ (جاری ہے)

امیر تنظیم اسلامی کی چیدہ چیدہ مصروفیات

(04 تا 10 مارچ 2021ء)

جمعرات (04 مارچ 2021ء) کو مرکزی اُسرہ کے اجلاس میں آن لائن شرکت کی۔

جمعہ (05 مارچ 2021ء) کو جامع مسجد شادمان کراچی میں اجتماع جمعہ سے خطاب کیا۔ بعد نماز جمعہ قرآن اکیڈمی یاسین آباد میں حلقہ کراچی شمالی کے زیر اہتمام اورنگی ٹاؤن میں دیوبندی مکتب فکر کے چھ علماء تشریف لائے۔ ان سے گفتگو ہوئی۔ انہوں نے بانی محترمؒ کا ذکر بہت اچھے انداز میں کیا۔ انہیں کچھ تجاویز اور مشورے دیئے گئے۔ نیز حرمت سود کے حوالے سے مواد اور دعوتی لیٹریچر بھی دیا گیا۔ اس موقع پر مرکزی شعبہ تربیت کے خورشید انجم، عبدالرؤف اور شیر افگن بھی شریک ہوئے۔ نماز عصر کے بعد سینئر رفیق عبدالعظیم مرحوم کے صاحبزادے کا نکاح پڑھایا۔ بعد نماز مغرب کراچی وسطی کے تحت امراء، نقباء و معاونین کے اجتماع میں ’’رحماء بینھم‘‘ کے حوالے سے خطاب کیا۔

ہفتہ (06 مارچ 2021ء) کو نائب ناظم اعلیٰ انجینئر سید نعمان اختر کے ہمراہ سکھر کے لیے روانگی ہوئی۔ حیدرآباد میں امیر حلقہ شفیع محمد لاکھو کے ساتھ ناشتہ کیا۔ عصر کے وقت سکھر پہنچے۔ بعد نماز عصر تا قبل از عشاء رفقاء سے ملاقات، خطاب اور سوال و جواب کا اہتمام کیا گیا۔ بعد نماز عشاء ایک مسجد میں ’’فتنہ دجال اور اس سے بچاؤ کا راستہ‘‘ کے موضوع پر خطاب کیا۔ کچھ ذمہ داران اور احباب کے ساتھ مقامی تنظیم سکھر کے امیر عرفان صاحب کے ہاں عشائیہ میں شرکت کی۔۔

اتوار (07 مارچ 2021ء) کی صبح حلقہ کے ذمہ داران سے ملاقات کی۔ 09:30 بجے ایک سرکاری کالج کے ایک پروفیسر سے ملاقات ہوئی۔ حلقہ کے مرکز میں مولانا عبداللہ سے گفتگو ہوئی۔ بعد ازاں صادق آباد کے لیے روانگی ہوئی۔ راستے میں ایک ملتزم رفیق میجر (ر) عامر سے میرپور ماتھیلو میں ملاقات ہوئی۔ صادق آباد میں بعد عشاء مدرسۃ البنات کے آڈیٹوریم میں ’’دین کا تصور اور تنظیم کا لائحہ عمل‘‘ کے حوالے سے تقریباً سوا گھنٹہ خطاب کیا جس میں احباب کی ایک کثیر تعداد شریک تھی۔

پیر (08 مارچ 2021ء) کو مسجد میں درس قرآن ہوا۔ ناشتے پر رفقاء سے ملاقات کی۔ پھر رحیم یار خان روانگی ہوئی۔ 09:15 بجے ایک سرکاری کالج میں ’’مقصد حیات اور کرنے کے کام‘‘ کے موضوع پر تقریباً 300 طلبہ سے خطاب کیا۔ بعد ازاں 11:00 بجے ایک اور سرکاری کالج میں ’’اسلام اور استحکام پاکستان‘‘ کے موضوع پر اڑھائی/تین ہزار طلبہ سے خطاب کیا۔ پھر 12:30 بجے رحیم یار خان بار کونسل میں ’’اسلام اور استحکام پاکستان‘‘ کے موضوع پر مختصر بات ہوئی۔ ایک حبیب (وکلاء کے استاد، پروفیسر علی احمد لغاری صاحب) کے کالج میں رفقاء سے ملاقات اور بیعت مسنونہ کا اہتمام ہوا۔ بعد ازاں پروفسر صاحب نے بھی بیعت کر لی۔ سہ پہر 03:30 بجے کراچی کے لیے روانگی ہوئی اور رات 01:30 بجے گھر پہنچے۔

منگل (09 مارچ 2021ء) کی رات کو لاہور پہنچے۔

بدھ (10 مارچ 2021ء) کی صبح ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی اظہر بختیار خلجی اور نائب امیر اعجاز لطیف کے ساتھ ملاقات رہی۔ بعد ازاں خورشید انجم سے نائب امیر کے ہمراہ ملاقات ہوئی۔ بعد نماز ظہر نائب امیر اور ناظم مالیات سے ان کے شعبہ کے حوالے سے گفتگو ہوئی۔ بعد ازاں 05:30 بجے فیصل آباد کے لیے روانگی ہوئی۔ وہاں حرمت سود مہم کے ایک پروگرام میں خطاب کیا۔ رات ایک بجے لاہور واپسی ہوئی۔

نائب امیر سے روزانہ کی بنیاد پر تنظیمی امور کے حوالے سے آن لائن رابطہ رہا۔

اسلام کی پہلی شہیدہ
حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا بنت خباط

فرید اللہ مروت

حضرت سمیہؓ بن خباط کا شمار بلند پایہ صحابیات میں ہوتا ہے۔ انہوں نے راہِ حق میں اپنے ضعف اور کبرسنی کے باوجود دل گداز مظالم جھیلے یہاں تک کہ اپنی جان بھی اسی راہِ میں قربان کر دی اور اسلام کی سب سے پہلی شہیدہ ہونے کا مہتم بالشان شرف حاصل کیا۔

جب مکہ کی خشک پہاڑیوں اور بے آب وگیاہ وادیوں میں اسلام کی صدائے حق بلند ہوئی تو اس کی اثر انگیزیوں کی وسعت نے پورے جزیرہ نمائے عرب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ بچے، بوڑھے، جوان، غلام، آزاد مرد وزن، گویا تمام سلیم الفطرت لوگ اس کے جھنڈے تلے جمع ہونے اور اس طرح دوڑ کر اس کی آغوش میں پناہ لینے لگے کہ گویا بڑی بے تابی اور اضطراب سے اس کی آمد کے منتظر تھے۔ قبول اسلام کے وقت ان پر جو کیفیات طاری ہوتی تھیں، ان سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ لوگ معصیت کی کثرت سے اکتا چکے ہیں، ارتکاب گناہ کی بے پناہیوں نے ان کو نڈھال کر ڈالا ہے اور ایک عرصہ دراز تک کفر و شرک کی تاریکیوں میں غرق رہنے کے بعد وہ نور وضیا کی تلاش میں ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کے نظر وبصر اور قلب و ضمیر کی ظلمت دور ہو اور اس کی جگہ ان کے اندر روشنی کے چشمہ ہائے صافی ابلنے لگیں۔

یہ جذبہ بلا استثنا مردوں اور عورتوں سب میں پایا جاتا تھا۔ جو لوگ اس جذبہ صادقہ اور عاطفہ صحیحہ سے محروم تھے اور جن کے دلوں پر ظلمت وتاریکی کی مہریں ثبت تھیں، ان کی تعداد وقت گزرنے کے ساتھ کم ہو رہی تھی۔ ان کے ناروا اور غیر پسندیدہ گفتار و کردار کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ لوگوں کے دلوں میں ان کا وقار ختم ہو چکا تھا۔ ان کی عام حیثیت اور لوگوں میں شہرت وتعارف کی جو نوعیت تھی، وہ ظالم وستم گر سے زیادہ نہ تھی۔ عوام ان کی ایذا رسانیوں سے گلو خلاصی چاہتے تھے۔ ان کی تعداد اگرچہ زیادہ تھی اور دعوتِ حق پر لبیک کہنے والوں پر بے تحاشا ظلم وستم ڈھاتے تھے۔ اس میں مرد یا عورت کی کوئی تخصیص نہ تھی۔ اسلام کی تبلیغ وترویج اور نشر واشاعت کے راستے میں یہ لوگ بہت بڑی رکاوٹ تھے، مگر لوگ پھر بھی اسلام کی طرف برابر دوڑے چلے آ رہے تھے اور خاندانوں کے خاندان اس کے حلقے میں داخل ہو رہے تھے۔ ان خاندانوں میں سمیہ بنت خباط کا خاندان خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اس خاندان کے افراد عرب کے نحیف و کمزور لوگ تھے اور غلامانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ لیکن انہوں نے اپنے آقاؤں کی بے پناہ سختیوں کے باوجود اسلام قبول کیا اور پھر اس کی تعلیمات سے اس قدر متاثر ہوئے کہ جس نسبت سے ان پر تشدد کیا جاتا تھا، اسی نسبت سے یہ اسلام میں پختہ اور مضبوط ہوتے جاتے تھے اور اس کی جڑیں ان کے دلوں میں گہری ہوتی جاتی تھیں۔ اس خاندان کے تفصیلی حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ جو کچھ معلوم ہو سکا ہے، وہ اگرچہ بہت مختصر ہے تاہم اس کو تاریخ اسلام کے دور آغاز کے ایک اہم باب کی حیثیت حاصل ہے۔

نام ونسب

سمیہ نام ہے۔ خباط کی بیٹی ہیں۔ مشہور صحابی حضرت عمار بن یاسرؓ کی والدہ اور ابوحذیفہ بن مغیرہ مخزومی کی کنیز تھیں۔

نکاح

حضرت یاسر بن عامر ابوحذیفہ کے حلیف تھے۔

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کا حضرت یاسرؓ سے نکاح ہوا۔ ان کی صُلب سے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ عبداللہؓ اور عمارؓ۔

قبول اسلام

ظہور اسلام کے وقت یہ بوڑھی ہو چکی تھیں۔ جوں ہی صدائے اسلام سے ان کے کان آشنا ہوئے فوراً مسلمان ہو گئیں۔ ان کے ساتھ ان کا بیٹا عمار اور شوہر یاسر بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، رضی اللہ عنہم۔

یہ لوگ اگرچہ بہت سے لوگوں کی بہ نسبت پسماندہ اور معاشرتی اعتبار سے کمزور تھے، تاہم انہوں نے اپنے اسلام کو مخفی نہیں رکھا اور جس صدائے حق سے متاثر ہوئے تھے، اس کا برملا اعلان اور عوام میں اس کی حقانیت کا اظہار کیا۔ ان کی یہ تبلیغ اسلام اور اس کا اظہار واعلان تمام مخالفین اسلام بالخصوص خاندان مغیرہ کے لیے بہت بڑا چیلنج تھا۔ وہ یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ ان کی کنیز اور اس کا بیٹا اور شوہر اس جرأت کا مظاہرہ کریں اور علی الاعلان ان کی کافرانہ غیرت وحمیت کو للکاریں۔

اب قبول اسلام کے بعد حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اور ان کا مختصر کنبہ قریش کے دردناک مظالم کا شکار تھا۔ کفار نے ان کو دوبارہ کفر وشرک کی آلودگیوں میں مبتلا کرنے کی کوشش کی، مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ سختیاں بھی کی گئیں، اس کا بھی ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ سمیہؓ جیسے جیسے اظہار اسلام میں بے باک ہوتی جاتی تھیں، کافروں کے ظلم وستم کی حدود بڑھتی جاتی تھیں۔ ان پر اس درجہ شدید ظلم ڈھائے گئے کہ انہیں دوپہر کے وقت مکے کی آگ کی مانند جلتی اور تپتی ہوئی ریت پر لوہے کی بوجھل زرہ پہنا کر دھوپ میں کھڑا کر دیا جاتا تھا۔ لیکن ان کے عزم واستقلال کے سامنے یہ آتش کدہ اور آہن وآگ کا یہ جہنم بالکل ٹھنڈا پڑ جاتا اور اپنا اثر حدت کھو بیٹھتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بنو مخزوم کے محلے سے گزرتے اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اور ان کے بیٹے عمار اور ان کے شوہر یاسر کو مظالم کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے دیکھتے تو آہ بھر کر فرماتے:

”آل یاسر! صبر کرو، ان مصائب کے عوض تمہارے لیے جنت مقدر ہو چکی ہے۔“

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا دن بھر مظالم ومصائب کے ان شکنجوں میں جکڑی رہتیں، شام کو جب ریت ٹھنڈی ہو جاتی تو وہ گھر لوٹتیں، رات قدرے آرام سے گزرتی تو صبح کو پھر وہی سلسلہ عقوبت شروع ہو جاتا۔

شہادت

اسلام لانے کی وجہ سے مکہ کے کافروں نے آپؓ کو بہت زیادہ ستایا۔ ایک شام دن بھر مبتلائے عذاب رہنے کے بعد حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر واپس آ رہی تھیں کہ راستے میں ابوجہل مل گیا، اس نے حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا تو آپے سے باہر ہو گیا۔ جوش غضب میں اس پاک باز خاتون کو گالیاں بکنے لگا، لیکن وہ پیکر صبر ورضا بالکل خاموش رہیں اور بدستور گھر کی طرف قدم بڑھاتی رہیں، ان کی اس بے نیازی اور خاموشی سے ابوجہل اور برافروختہ ہو گیا۔ ابوجہل نے نیزہ تان کر اور دھمکا کر کہا کہ تو کلمہ نہ پڑھ ورنہ میں تجھے یہ نیزہ مار دوں گا۔ حضرت بی بی سمیہ رضی اللہ عنہا نے

سینہ تان کر زور زور سے کلمہ پڑھنا شروع کیا۔ ابوجہل نے طیش میں آ کر ان کے ناف کے نیچے شرم گاہ میں اس زور سے نیزہ مارا کہ وہ خون میں لت پت ہو کر گر پڑیں اور سسک سسک کر جامِ شہادت نوش کیا۔ ان کے شوہر کے چاروں ہاتھ پاؤں کو 4 اونٹوں کے ساتھ باندھ کر مخالف سمیت میں دوڑایا اور ان کے جسم کے برخچے اڑ گئے۔ اس طرح ضعیف العمر میاں بیوی نے اسلام کی سربلندی کے لیے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس جیسی ایمانی غیرت وحمیت عطا کرے۔

ایک روایت کے مطابق ابوجہل نے حضرت سمیہ ؓ کے بیٹے عبداللہ ؓ کو بھی تیر مار کر شہید کر دیا۔ اب صرف عمار ؓ باقی رہ گئے۔ حضرت عمار ؓ کو جب اپنی والدہ کی اس مظلومانہ موت کا علم ہوا تو نہایت غمگین ہوئے اور روتے ہوئے سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اب تو مسلمانوں پر کافروں کے مظالم انتہا کو پہنچ گئے ہیں۔

حضور ﷺ نے ان کو صبر کی تلقین کی اور اللہ سے آلِ یاسر کے لیے ان الفاظ میں دعا فرمائی:

((اللھم لاتعذب احد امن آل یاسر بالنار))

’’اے اللہ خاندان یاسر کے کسی فرد کو عذاب دوزخ میں مبتلا نہ کرنا۔‘‘

حضور ﷺ کو ابوجہل کی شقاوت اور حضرت سمیہ ؓ کی مرگِ بے کسی پر سخت صدمہ ہوا۔ حضرت سمیہ ؓ کی شہادت کے بعد جنگ بدر کا معرکہ گرم ہوا، جس میں کافروں کو ذلت آمیز شکست ہوئی اور ابوجہل واصل جہنم ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمار بن یاسر ؓ سے کہا:

’’اللہ تعالیٰ نے تمہاری ماں کے قاتل سے بدلہ لے لیا۔

اسلام قبول کرنے والوں میں حضرت سمیہ ؓ کا ساتواں نمبر ہے اور مسلمان مردوں اور عورتوں میں یہ پہلی ذی عزم اور خوش بخت خاتون ہیں جو درجہ شہادت پر فائز ہوئیں۔ بقولِ مرزا مظہر جان جاناں ؎

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

’’خون اور خاک میں تڑپنے والی اچھی رسم کی انہوں نے بنیاد ڈال دی۔ اللہ ان پاک طینت، نیک فطرت عاشقوں پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔‘‘

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

کارِ تریاقی

زخم کو پھول بتایا جائے

عامرہ احسان
amira.pk@gmail.com

بات صرف سیاسی اخلاقیات کی بربادی کی نہیں ہے، جسے قوم کا باشعور طبقہ بصد افسوس تک رہا ہوتا ہے۔ معاشرتی اخلاقیات کا جنازہ حیا باختگی کی صورت نکل رہا ہے۔ اس کے مظاہر فیشن، فلموں، ڈراموں میں قوم کو راہ سے بے راہ کر رہے ہیں۔ متاعِ دین ودانش لٹتی نظر آتی ہے۔ نوجوان نسل میں سنجیدگی، محنت، لگن، اعلیٰ مقاصد کے لیے جینا، ملک وملت کی فلاح وترقی میں اپنا حصہ ڈالنے کی فکر دور دور دکھائی نہیں دیتی۔ کھیل میلے شغل بازی میں جوانیاں ضائع کر رہے ہیں۔ پی ایس ایل افتتاحی پروگرام نے حیا سوزی کی جو آگ بھڑکائی تھی وہ کورونا کے ہاتھوں یک لخت اختتام کو پہنچی۔ 8 مارچ کی صبح اسلام آباد میں تو سورج طلوع ہی نہ ہوا، بجلی کی غیر معمولی کڑک گرج چمک نے شہر دہلائے رکھا۔ یہ عالمی یوم نسواں کا آغاز تھا۔ ایک وقت تھا کہ یہی طبقہ اقوام متحدہ کے بخشے اس دن سنبھل سنبھل کر رسمی ناروں کے اندر زبان وبیان کی حد تک عورت کے دُکھڑے رولیا کرتا تھا۔ موضوعات بھی نسبتاً حقیقی اور مہذب ہوا کرتے تھے۔ جہیز، ونی، وراثت سے محروم رکھے جانے والے۔

اب چند سالوں سے یہ دن اخلاق وتہذیب کی دھجیاں بکھیرتا، شرم وحیا کی حدیں توڑتا طوفانِ بدتمیزی کا دوسرا نام ہے۔ عورت مارچ کے نام پر سڑکوں پر کم لباسی، بدلباسی کے ساتھ بے محابا ناچنے گانے، تلخ کلامی، چیخ چنگھاڑ، متشدد جارحانہ رویے، حد درجے بھونڈا پن لیے ہوئے ہے۔ ان کے ایشوز اب عورت کو دھنیا پودینہ، دہی، تندور کی روٹی خریدنے کے لیے بازاروں میں چلے رہنے کی آزادی، ڈھابوں پر چائے پینے، مردوں کے دوش بدوش سگریٹ کے مرغولے اڑانے کی آزادی رہ گئے ہیں۔ گاڑیاں تو چلا رہی ہیں خواتین، اس پر کوئی معترض نہیں۔ تاہم موٹر سائیکل پر سائیلنسر پھاڑ کر اُڑنے کی آزادی کے لیے اس مرتبہ ڈھول پیٹتی تھرکتی دیکھی گئیں۔ کشمیری نوجوان بھارت کی قید وبند میں سسکتے، غلامی میں روزگار اور بھوک سے بلکتے حسرت سے نعرے لگاتے ہیں: ’’ہم چھین کے لیں گے آزادی!‘‘ اسی لے میں یہ بھرے پیٹوں، این جی اوز کے ڈالروں کی مستی میں جینز میں پھنسی قوم کی بیٹیاں چلّا چلّا کر کہہ رہی ہیں: ’’تیرا باپ بھی دے گا آزادی! مُلّا بھی دے گا آزادی!‘‘ وہی مُلّا پھر جس کے آگے کفن میں عورت اسکارف اوڑھ کر چادر در چادر پردے میں لپٹی اگلی منزلوں کا تنہا سفر کرنے کو ایک چارپائی پر لد کر جاتی ہے جنازہ طلب۔

زمینی حقائق نہایت سخت ہیں اور زیر زمینی حقائق تلخ تر! اللہ اگلے سفر، جو سبھی کو جلد یا بدیر درپیش ہیں آسان کر دے۔ اگر یہ اسباق بھول جائیں، پڑھائے ہی نہ جائیں تو کافرانہ جہالتوں میں ڈوبا مسلمان دنیا وآخرت دونوں اپنے ہاتھوں اجاڑ لیتا ہے۔ ’’میرا جسم میری مرضی‘‘ کے حیا سوز پیغام نے کتنے گھر کتنے خاندان تباہ کیے۔ ایسی سبھی فلمی کہانیاں، حقیقت کی دنیا میں جگر پاش المیوں کی بھینٹ چڑھیں۔ والدین کو لڑکیوں کی حیا بریدہ لاشیں ہی ملیں یا خودکشیوں کے انجام دیکھے۔ ایسے ہی ایک آزادی طلب جوڑے نے اکٹھی خودکشی کی۔ لڑکا تیر کر نکل آیا، (اس کا پروگرام بدل گیا)۔ لڑکی ڈوب گئی۔ آزادی کے ہاتھوں والدین کو زندہ درگور کر گئی۔ پچھلی مرتبہ بھی 8 مارچ کے بعد کورونا ٹوٹ پڑا تھا۔ اس مرتبہ پھر وہی شدّت اٹھی ہے۔ اللہ رسول ؐ سے منہ موڑ کر بے محابا آزادی کے پھریرے لہراتی، خالق کو بھلانے کی بھی آزادی چاہتی ہیں۔ اسی تسلسل میں لاہور یونیورسٹی میں سرعام امریکی یورپی سڑکوں والے منظر تخلیق کرنے کی ایک بھونڈی نقالی وائرل ہوئی۔ بدحلیہ سی ایک لڑکی ہاتھ میں پھول لیے اپنے معشوق کے قدموں میں گھٹنوں کے بل جھک کر قبولیت کی متمنی دیکھی جاتی ہے۔ وہ بھی (پہلے سے طے شدہ) پھول بدست کھڑا ہے، اسے اٹھا کر گلے لگا کر پیش کش قبول کرتا ہے۔

گراوٹ کی انتہا تو یہ ہے کہ آزادی طلب، برابری طلب بلکہ غلبہ طلب عورت، مرد کے قدموں میں جھک کر (تحقیر سہہ کر!) اُس کی رفاقت مانگ رہی ہے! یہ ہے خود اختیاری کا مآل؟ Empowerment کا افسوسناک انجام؟

کہاں مسلمان عورت کی یہ شان کہ جوتیاں چٹخاتے والدین کو بصد منت واہتمام دوطرفہ ضمانت پر یہ بیش قیمت نگینہ دعاؤں، تمناؤں، محبتوں اور احسان مندی کے حصار میں رشتہ طلب مرد کے حوالے کیا جاتا ہے۔ وقار، تقدس اور وفاشعاری ہمراہ لیے، مہذب شائستہ، تہذیب واقدار والے خاندانوں میں! ان رشتوں کا نباہ تادیر اس لیے رہتا ہے کہ اللہ کی طرف سے پاکیزگی کے عوض باہم مودّت ورحمت کا آسمانی رحمانی تحفہ اترتا ہے۔

’’اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اُس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کردی۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں۔‘‘ (الروم:21)

مسلم معاشرے پر تھوپا گیا مغربی کلچر، سوشل میڈیا کی رنگینیاں غور وفکر کی صلاحیت ختم کردیتی ہیں۔ وحشی حسیات غلبہ پاکر پاکیزہ میلانات کو گدلا کردیتی ہیں۔ پھر یہ ہم جنس جوڑے کہاں رہتے ہیں۔ کہیں عورت پر چڑیل ہونے کا گمان ہوتا ہے، کہیں مرد جنات کی قبیل سے دکھائی دیتے ہیں۔ پدرسری کی جگہ خودسری کی شتر بے مہار شادیاں عدالتوں میں خلع یا طلاق کی بھینٹ چڑھتی ہیں۔ بچے ہوجائیں تو ان پر قہر ٹوٹتا ہے۔

اس عورت مارچ میں پارٹنرشپ کا راگ بھی الاپا گیا۔ مغربی یوم نسواں یہ سارے مرحلے سر کرچکا۔ گھر پھونک تماشا ہوئے مدتیں گزرگئیں۔ یہاں اس کی بھونڈی ترین نقل اتاری گئی ہے۔ دیدہ دلیریاں تو بہت ہوئیں۔ مسلسل ’’دوبالغ افراد باہمی رضامندی سے جو فیصلہ کرنا چاہیں‘‘ کا موٹو بار بار دہرایا گیا۔ وہ دو کسی بھی طرح کا جوڑا ہوسکتا ہے۔ LGBT ایجنڈا بھی پیش ہوا۔ یہ ضرور ہے کہ جب دریدہ دہنی (ہمہ نوع) پر پکڑ، گرفت، آئینی دفعات کا اندیشہ لاحق ہوا تو مکمل یوٹرن لے کر سارے فتورے میڈیا کو موردِ الزام ٹھہرانے لگے۔ ان کے 167 سرگرم کارکن ومددگاروں صحافیوں نے چڑھائی الزامی بیان پر دستخط کیے۔ جارحانہ الزام تراشی ہی بہترین دفاع ہے، کے انگریزی محاورے Offence is the Best Defence کے تحت آسمان سر پر اٹھا لیا اور مظلوم بن کر کھڑے ہوئے بے چارے! توجہات کا رخ فوراً لاہور یونیورسٹی کے واقعے کی طرف موڑ کر چاند نکالنے پر مامور وزیر فواد چودھری سے لے کر قوم کی بیٹیوں کی راہنمائی کو وسیم اکرم کی آسٹریلوی بیوی جیسے اٹھ کھڑے ہوئے! تعلیمی ادارے جو پہلے ہی سال بھر کورونا بندشوں کی نذر رہے، اب اگر خدا خدا کرکے کھلے ہی تھے تو کیا انہی ابوابِ عشق وعاشقی کی تعلیم اور تعلّم کو؟ کارِطفلاں تمام خواہد شد! جن قوموں کی نقالی میں ادھ موئے ہوئے پڑے ہیں انہیں اگر دنیا میں مقام ملا تو دن رات لائبریریوں کتابوں میں سر دیے رہنے سے۔ یادش بخیر امریکی صفِ اوّل کی کولمبیا یونیورسٹی میں طالبات کو کبھی خوشبو، میک اپ، عشق عاشقی میں ملوث نہ دیکھا۔ والدین کی جیبیں کاٹ کر ٹیوشن فیس وہاں ادا نہیں ہوتی۔ جوان اپنی خون پسینے کی کمائی سے اپنے زورِ بازو پر پڑھتے ہیں (اب ان کی نسلیں بھی اگرچہ زوال پذیر ہیں) پورا ہفتہ بلا استری مشین سے دھلے کپڑوں کے ایک یا دو جوڑوں ہی میں لگاتار ملبوس، ہوش گم کیے لائبریریوں میں رات گئے تک پڑھتے ہیں۔ پک نک پارٹیاں، ویل کم، فیئرویل، چھٹیاں، دنگے فساد، ہیرا پھیری، نقل بازی کا گزر نہیں۔ دماغ سوزی، لیلیٰ مجنوں کہانیوں کی فرصت نہیں دیتی۔ ایسی حرکتیں وہاں کا جاہل کم تر طبقہ کرتا ہے۔ گرمیوں کی چھٹیوں میں کمائی (فیس ادا کرنے کو) سے فرصت ملے تو اور بات ہے۔ ہم نے نقالی میں بھی بدترین ہی منتخب کیا! جن مدارس اور ملاؤں کا مذاق اڑاتے ہیں، کبھی جاکر ان کی جان توڑ محنت، لگن اور سنجیدگی بھی دیکھ آیئے۔ شاندار نمونہ اساتذہ وطلبہ، تعلیمی ماحول اور امتحانی فضا دیکھ کر دنگ رہ جائیں گے۔ اپنے شعبہ جات کی مہارت کا موازنہ کر دیکھیے۔ عصری تعلیم کا المیہ یہ ہے کہ وہ اب رنگ رنگینی اور تجارت بن چکا۔ موجودہ قیادتوں کا علمی پایہ آئے دن ان کے زبان وبیان اور کارکردگی میں دیکھا جاسکتا ہے۔ روبہ زوال قوموں کی سبھی نشانیاں ہم میں پوری ہیں اور یہی قوم کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ تاہم یہاں تو:

حکم ہے سچ بھی قرینے سے کہا جائے ندیم
زخم کو زخم نہیں، پھول بتایا جائے!

صدیقین

صدیقین وہ ہوتے ہیں جو نبی کی دعوت کو قبول کرنے میں والہانہ پیش قدمی کرتے ہیں اور قطعاً کوئی توقف نہیں کرتے۔ گویا انہیں اس کے بارے میں کوئی اشتباہ لاحق ہی نہیں ہوتا، چنانچہ نہ وہ کوئی اعتراض وارد کرتے ہیں، نہ کوئی جرح کرتے ہیں۔ وہ یہ نہیں کہتے کہ آپ ہم کو دعوت دینے والے کون ہوتے ہیں؟ بلکہ ان کی کیفیت ایسی ہوتی ہے کہ جیسے کوئی نمازی وضو کرکے نماز کے لیے تیار بیٹھا ہو اور صرف انتظار کررہا ہو کہ جیسے ہی اذان کی آواز کان میں پڑے، وہ فوراً مسجد کا رُخ کرے۔ بالکل یہی کیفیت صدیقین کی ہوتی ہے۔

بندۂ مومن کا تصورِ حیات

بندہ مومن کا تصورِ حیات یہ ہے کہ ہم اللہ کے پاس سے آئے ہیں اور اللہ ہی کے پاس واپس لوٹ جائیں گے، یہ دنیوی زندگی کا ایک سفر ہے، یہ ہرگز ہماری منزل نہیں ہے۔

اسلام کے عالمی غلبہ کا نقطہ آغاز

گمان غالب یہی ہے کہ اسلام کے عالمی غلبے کا نقطہ آغاز یہی سرزمین بنے گی، جس کا نام ’’پاکستان‘‘ ہے۔ (ملفوظات ڈاکٹر اسرار احمدؒ)

دعائے مغفرت

انا للہ وانا الیہ راجعون

☆ حلقہ راولپنڈی کے ناظم نشرواشاعت صوفی محمد صفدر وفات پاگئے۔

برائے تعزیت (بیٹا): 0333-5484170

☆ حلقہ پنجاب پوٹھوہار، جہلم کے ملتزم رفیق ساجد سہیل کی والدہ وفات پاگئیں۔

برائے تعزیت: 0301-5868300

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔

قارئین سے بھی ان کے لیے دُعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَھُمَا وَارْحَمْھُمَا وَاَدْخِلْھُمَا
فِیْ رَحْمَتِكَ وَحَاسِبْھُمَا حِسَابًا یَّسِیْرًا

اللہ والوں کی صحبت

احمد علی محمودی

شریعتِ مطہرہ نے متقی اور نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے پر اُبھارا ہے اور گناہ گاروں و شریر لوگوں کی صحبت اختیار کرنے سے منع کیا ہے، کیونکہ دوست کی صحبت کا دینی، عقلی اور اخلاقی طور پر اثر ہوتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ (سورۃ التوبۃ: 119) ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔'' آنحضرت رؤف و رحیم، سرکارِ دوعالم ﷺ نے اللہ والوں سے محبت و عقیدت رکھنے والوں، اور ان کی صحبت و ہم نشینی اختیار کرنے والوں کو کامیابی کی بشارت دی ہے۔ حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، لہٰذا تم میں سے ہر شخص کو یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔''

(رواہ ابوداؤد والترمذی)

اچھی اور بری مجلس کی مثال

حضرت سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اچھے اور برے دوست کی مثال مشک اٹھانے والے اور بھٹی دھونکنے والے کی طرح ہے، مشک اٹھانے والا تمہیں تحفہ دے گا یا تم اس سے خریدو گے یا تمہیں اس سے عمدہ خوشبو آئے گی، جبکہ بھٹی دھونکنے والا یا تمہارے کپڑے جلائے گا یا تمہیں اس سے ناگوار بو آئے گی۔'' (بخاری)

اچھی صحبت کا فائدہ

اچھی صحبت کا یہ بھی فائدہ ہے کہ اچھی مجلس میں حاضر ہونا گناہوں کی معافی کا سبب ہے۔ صحیحین کی طویل روایت حضرت ابوہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ''فرشتے راستوں میں گھومتے اور اہلِ ذکر کو تلاش کرتے ہیں۔'' حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرشتوں سے ان حضرات کی مجلس اور ان میں وہ جو باتیں کرتے ہیں ان کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ تو فرشتے جواب دیتے ہیں: ''وہ آپ کی تسبیح، آپ کی تکبیر، آپ کی تعریف اور آپ کی بزرگی بیان کر رہے تھے۔'' یہ سن کر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ''میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انہیں معاف کر دیا۔'' حضرت ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ: فرشتوں میں سے ایک فرشتہ عرض کرتا ہے کہ: ان میں سے ایک آدمی ذکر کرنے والوں میں سے نہیں تھا بلکہ وہ اپنی کسی ضرورت کی وجہ سے وہاں آیا تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ''میں نے اسے بھی معاف کر دیا۔ وہ ایسی جماعت ہیں کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والا کوئی بھی نامراد نہیں رہتا۔'' (متفق علیہ)

اللہ کے ولی

نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ''اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اولیاء وہ ہوتے ہیں کہ جب انہیں دیکھا جائے تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ یاد آ جائیں۔'' (احمد بن حنبل)

نیک لوگوں کو دیکھنا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی یاد دلاتا ہے تو اندازہ فرمائیں کہ ان کی صحبت اختیار کرنا اور ان کے پاس بیٹھنا کس قدر کارآمد ہوگا؟ اہل اللہ و بزرگانِ دین کی مجالس میں بیٹھنے اور ان کی باتوں اور اقوال و ملفوظات کو سننے سے دل میں نرمی اور گداز، عمل کا شوق اور جذبہ پیدا ہوتا ہے، اور اصلاحِ نیت کی توفیق ملتی ہے۔ پتھر کی طرح سخت دل بھی موم ہو جاتا ہے اور اس قابل ہو جاتا ہے کہ اس میں صلاح و تقویٰ اور عملِ صالح کے بیج ڈالے جا سکیں۔

جیسی صحبت، ویسا اثر

زبانِ خلق پر یہ بات جاری ہے کہ جیسی صحبت ہوگی ویسا ہی اثر پڑے گا، جس کی صحبت میں رہے گا اس کے اثرات اس میں منتقل ہوں گے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ بروں کے ساتھ جائیں گے تو برے ہو جائیں گے اور اگر برے نہ بھی ہوئے تو بری شہرت ہو جائے گی اور بری شہرت بھی بری صحبت کا نتیجہ ہے اور برا ہونا بھی بری صحبت کا نتیجہ ہے۔ ایسے ہی اچھوں کی صحبت میں رہے گا تو اچھا ہو جائے گا، آدمی کی جیسی طبیعت ہوتی ہے ویسی ہی طبیعت والے سے مانوس ہوتا ہے۔ جو غلط کار لوگ ہوتے ہیں، وہ غلط کار لوگوں کو فوراً پہچان لیتے ہیں، جو نیک لوگ ہوتے ہیں وہ نیک لوگوں کو پہچان لیتے ہیں، اس لیے کہ جو جیسا ہوتا ہے، وہ ویسے ہی لوگوں کو ڈھونڈتا ہے۔ آپ چور کے ساتھ رہیں گے تو چوری نہ صحیح، ہیرا پھیری تو کریں گے ہی، آپ جھوٹے کے ساتھ رہیں گے تو جھوٹ نہ صحیح، مبالغہ تو کریں گے ہی، اس لیے اس بات کو طے کر لینا چاہیے کہ ہمیں نیک لوگوں کی صحبت اور دوستی اختیار کرنا ہے، یہ بھی یاد رہے کہ جو شخص جتنا زیادہ سنتِ رسول ﷺ کا اتباع کرنے والا ہوگا، اتنی ہی زیادہ اس کی صحبت کا نفع اور برکت بڑھتی جائے گی اور جس میں اتباعِ سنت نہیں ہے، تو اس سے نہ برکت حاصل ہوگی، نہ نفع اور نہ تاثیر۔

اگر نیک لوگوں کی صحبت میسر نہ ہو

اگر نیک لوگوں کی صحبت میسر نہ ہو تو کم از کم بری صحبت سے بچنا چاہیے کیونکہ بری صحبت کے بہت زیادہ نقصانات ہیں نیز یہ کہ اگر نیک لوگوں کی صحبت میسر نہ ہو تو نیک لوگوں کے حالات، ان کے سوانح، ان کے نصائح اور ملفوظات و مکتوبات بھی ان کی صحبت ہی کی تاثیر رکھتے ہیں۔ ان کا مطالعہ کرتے رہنا چاہیے۔ یہ بھی ایک طرح کی ان کی صحبت اور ہم نشینی ہی ہے۔ جتنی دیر آدمی قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے، وہ اللہ کی صحبت میں رہتا ہے اتنی دیر اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس سے ہم کلام رہتا ہے اور جتنی دیر بندہ دعا کرتا ہے، وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اسی طرح سیرت اور حدیث کے مطالعہ کے دوران قاری کو رسول اکرم ﷺ کی صحبت حاصل رہتی ہے۔ اس لیے قرآن وحدیث اور سیرت کا مطالعہ کرتے رہنا چاہیے، روزانہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی صحبت کا یہ عظیم شرف ضرور حاصل کرتے رہیں، اس سے زندگی کندن کی طرح نکھر جائے گی۔

نیک لوگوں کی صحبت کے راستے کی رکاوٹیں

بعض اوقات نیک لوگوں کی صحبت کی راہ میں نفس دو وجوہ سے مانع ہوتا ہے اور خواہش کے باوجود صحبت کی اجازت نہیں دیتا۔ ایک علمی وجاہت، دوسرے عمر میں بڑا ہونا۔ اگر کسی کی علمی وجاہت اور عزت و شہرت زیادہ ہے وہ کسی ایسے صالح آدمی کی صحبت اختیار کرتے ہوئے پس و پیش کرتا ہے، جس کی علمی وجاہت کم ہے۔ یہ بھی نفس کی شرارت ہوتی ہے جو اس کو غلط پندار میں مبتلا کر کے اس کو اپنی بڑائی کا احساس دلا کر نیک صحبت سے محروم رکھنا چاہتا

also put us on the path towards the security and stability in Pakistan. If the government is unwilling to execute this obligation, then every citizen of Pakistan ought to start this job, become active at every possible level and become motivated for the cause; similar to the fervor and zeal seen during the days of the Pakistan Movement, more than seventy odd years ago. It must be remembered that deeds, not slogans, would give results. Every Pakistani Muslim ought to implement "Islam" on his own person as much as possible as the initial step, then move on to making efforts to convince his family and friends towards this objective and lastly be willing to commit all his energies for making the effort of implementing Islam at the state level and be willing to sacrifice whatever is necessary for this purpose. The people of Pakistan are very fortunate in this regard because all efforts made in making our country a genuine Islamic Welfare State would not only lead to the security and stability of Pakistan, but also lead to great rewards and success in the Hereafter. *In Sha Allah!*

In a nutshell, given the context, it is necessary for Pakistan to strengthen its ideological basis by practically establishing and making dominant the Absolute Sovereignty of Allah *(SWT)* in the country by moulding it into a true reflection of the *Khilafat-e-Rashida*, in letter and spirit. The imperative precondition for all of that to happen is that we must become a practical and tangible model of our ideology ourselves. May Allah *(SWT)* grant us the strength and courage to make Pakistan an ideal Islamic state, based on the lines of the Khilafat-e-Rashida. *Aameen!*

Editor's Note*: Authored by the Nida-e-Khilafat team.*

ہے۔ایسی حالت میں نفس کی مخالفت کر کے نیک اور صالح آدمی کی صحبت ضرور اختیار کر لینی چاہیے۔ ہمارے اسلاف میں بے شمار ایسے لوگ ہوگزرے ہیں، جنھوں نے اپنی علمی وجاہت اور عزت وشہرت کو نظر انداز کر دیا اور اپنے سے کم علمی وجاہت والے نیک لوگوں کے حلقہ صحبت میں داخل ہوکر ان سے مستفید اور فیض یاب ہوئے۔انہی اسلاف میں سے حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے مشہور ومعروف عالم دین تھے اور حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید تھے۔جن کو شاہ صاحب اپنی نیابت کا مستحق گردانتے تھے، اس قدر بلند اور جلیل القدر مرتبے پر فائز ہونے کے باوجود انھوں نے حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی جب کہ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ ان سے چالیس (۴۰) سال چھوٹے تھے۔

شخصیت میں کمال

بغیر صحبت کے آدمی کے اندر کمال پیدا نہیں ہوتا، چاہے دنیا کا معاملہ ہو یا دین کا۔ مولانا جلال الدین رومیؒ کی ایک بہت خوبصورت بات ارشاد فرماتے ہیں کہ ’’ایک کانٹا روتے ہوئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے کہہ رہا تھا کہ میں نے صلحاء کی زبان سے سنا ہے کہ آپ کا نام ستارالعیوب ہے یعنی عیبوں کو چھپانے والا، لیکن آپ نے مجھے کانٹا بنایا ہے میرا عیب کون چھپائے گا؟‘‘۔۔۔اس کی دعا کا یہ اثر تھا کہ اس کے اوپر پھول کی پنکھڑی پیدا کر دی، تاکہ وہ پھول کے دامن میں اپنا منہ چھپالے، جن کانٹوں نے پھول کے دامن میں جگہ لی ہے اس کو باغباں نہیں نکالتا، اسی طرح جو اللہ والوں سے جڑ جاتا ہے ان کی برکت سے وہ بھی ایک دن اللہ والا بن جاتا ہے، اللہ والے ایسے پھول ہیں کہ ان کی صحبت میں رہنے والے کانٹے بھی پھول بن جاتے ہیں۔

حاصل کلام

حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی صحبت میں رہنا چاہیے، ان کی محفلوں میں شریک ہونا چاہیے، اس کے بے شمار فائدے ہیں، انسان تو ظاہر ہے کہ اس سے فائدہ اٹھاتا ہی ہے، جانور بھی بزرگوں کی صحبت سے فائدہ اٹھاتے ہیں، جیسے اصحاب کہف کا کتا، قرآن کریم نے اصحاب کہف کے ساتھ ان کے کتے کا بھی ذکر کیا ہے۔جب ایک کتا اللہ والوں کی صحبت سے یہ مقام پا سکتا ہے تو ہم اور آپ اللہ والوں کی صحبت سے بلند مقام حاصل کیوں نہیں کر سکتے؟

ضرورت رشتہ

☆ انگلینڈ میں رہائش پذیر پاکستانی فیملی کو اپنی بیٹی، لیڈی ڈاکٹر، سرجن، عمر 28 سال، کے لیے دینی مزاج کے حامل، تعلیم یافتہ لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔رفیق تنظیم اسلامی قابل ترجیح۔

برائے رابطہ: 0345-5992634 0312-5992634

☆ پاکپتن میں رہائش پذیر کھوکھر فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 25 سال، تعلیم میٹرک، خلع یافتہ، خوب سیرت وخوب صورت کے لیے دینی مزاج کے حامل لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0331-5553399

☆ اعوان فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 22 سال، تعلیم ایم اے انگلش، قاریہ کے لیے دینی مزاج کے حامل تعلیم یافتہ، برسر روزگار، لاہور کے رہائشی لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0333-4805245
0300-4920523

The real message of 23 March (Pakistan Day)

As the 23rd day of March (Pakistan Day) approaches, it is high time for the Muslims of Pakistan to pause, reflect and strategize ways to bring peace and stability among their own ranks. For if we don't, the skies would not shed tears when all is lost. While it may be true that '!ll is well that ends well', yet whatever happens on the way matters equally as much!

Allama Iqbal *(RAA)*, the Ideologue of Pakistan, had declared the establishment of an Islamic Welfare State in the north-west of the Indian subcontinent to be a final destiny. While enunciating the necessity and raison d'être for the creation of that state he had said, "/so that the stains placed on the real face of Islam during the era of Islamic Imperialism could be washed away by creating a genuine Islamic Welfare State, which could give authentic Islam a practical manifestation/". Moreover, the Founder of the Nation, Quaid-e-Azam Muhammad Ali Jinnah *(RAA)*, while answering a question had said that the constitution of Pakistan had been laid down (revealed) thirteen hundred (1300) years ago in the contents of the Qur'an.

Furthermore, it is a well-established historical fact that the Quaid-e-Azam never used the term "Secularism" during his entire life. Hence, the top leadership of Muslims considered the creation of Pakistan for one purpose alone, viz. the attainment of a 'piece of land' for the Muslims of the Indian subcontinent in order to get the opportunity to not only practice the Islamic way of life in their personal capacity freely, but also to present a working model of the Islamic System of Social Justice in the form of a genuine Islamic Welfare State, based on the pristine principles derived from the Qur'an and Sunnah. It is for that reason that Islam was considered synonymous to the Ideology of Pakistan and the state of Pakistan was considered worthy of being called an Ideological state. Unfortunately, the nation as a whole betrayed that ideology which was at the core of the creation of Pakistan and consequently Pakistan is today like an anchorless ship sailing on the whim of the waves, with no determined direction and no progress towards the destination. Therefore, let alone lasting stability in Pakistan, even the security and existence of the country are facing grave threats.

The question logically arises as to what is the responsibility of a Pakistani Muslim under these circumstances? In our opinion, no profound philosophy is required to answer that question. The simple answer is that we ought to revert to the same Ideology that had been abandoned in the first place. The slogan and promise *"La Ilaha Ill !llah"* (There is no deity but Allah *SWT*) had played a vital role in making the Pakistan Movement successful; now *"Muhammad Rasul !llah"* (Muhammad *SAAW* is the Messenger of Allah *SWT*) needs to be appended to it in order to practically fulfill the promise.

Doing so will not only ensure the security and continued existence of our country, but will

Vol: 30 Regd. No. C.P.L NO.114 No.11

Weekly **Nida-e-Khilafat** Lahore